دو ماہی سلسلہ مطبوعات

سُبحان مَن زَیَّنَ الرِّجالَ بِاللِّحی

پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھیوں سے زینت بخشی!

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت

تہذیب جدید کی ڈاڑھی کے برخلاف مہم پر

دین فطرت کی ایک کاری ضرب

از افاضات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ عثمانیہ رجسٹرڈ ۳۲ مین بازار پرانی انارکلی

DATA ENTERED

Marfat.com

297.26
D55D
68563

پاکستان میں کتاب ہذا کے حقوق اشاعت باجازت مولانا محمد سالم صاحب مالک وناظم ادارۂ تاج المعارف دیوبند ادارۂ عثمانیہ لاہور کو حاصل ہیں

دو ماہی پروگرام "ادارۂ عثمانیہ" لاہور کی ساتویں کتاب

"ڈاڑھی کی شرعی حیثیت"

68563

سالِ اشاعت دو ماہی ——— مارچ سنہ ۱۹۶۲ء
قیمت ——— دو روپے پچیس پیسے
مطبوعہ ——— (باہتمام شفیق احمد صدیقی پنجاب نیشنل پریس لاہور

زیر نگرانی
قاری افتخار احمد قیصر عثمانی ناظم ادارہ واستاذ دار العلوم الاسلامیہ - لاہور

ضروری بات

معاونین کرام خط وکتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ جو آپ کے پاس پہونچنے والی وی پی پر درج ہوتا ہے حوالہ نمبر کے بغیر معاونین حضرات سے خط وکتابت میں کارکنان ادارہ کو دشواری پیش آتی ہے اور جواب میں تاخیر لازمی بات ہو جاتی ہے براہ کرم حوالہ نمبر کا ضرور خیال رکھیں۔

(منیجر ادارہ)

Marfat.com

حرفِ آغاز

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت دورِ حاضر کے ان مسائل میں سے ایک مستقل مسئلہ ہے کہ جسکو مسلمانوں کے عام غیر اسلامی ذوق نے غیر معمولی اہمیت دیدی ہے اسلامیت اور مسلمانیت کی اس باوقار علامت سے نہ صرف یہ کہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ صرفِ نظر کر کے اپنے جمالیاتی ذوق کی تکمیل کیجا رہی ہے بلکہ اب تو اسکی مشروعیت کو بھی غیر ضروری قرار دینے کے دلائل مہیا کرنے کی سعی کیجانے لگی ہے۔ یہ مسئلہ آج کے دور میں نہ اس کا محتاج ہے کہ ہم اس کا پہلے تعارف کرائیں اور اس پر رائے زنی کریں اور نہ اس کا کہ پیش نظر کتاب کی موجودگی میں ہم اصل مسئلے پر کچھ لکھیں ہم تو قارئین کرام سے اسکی درخواست کرتے ہیں کہ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت کو اپنے ذوق، زمانہ کے رواج اور سوسائٹی کے تقاضوں سے ہٹ کر محض اسلامی حیثیت سے اور مسلمانیت کے نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں اور سمجھنے کی کوشش فرمائیں ہمیں یقین ہے کہ دلائل وجود کی حد تک یہ کتاب اس مسئلہ پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے اور ہم جناب باری میں دست بدعا ہیں کہ عامۃ المسلمین کے لئے یہ کتاب آج کی بے راہ روی کے دور میں مشعلِ ہدایت ثابت ہو آمین :۔

احقر افتخار احمد قیصر عثمانی

ناظم ادارہ و استاذ دار العلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی لاہور

Marfat.com

ادارہ عثمانیہ کا پہلا سال

اور معاونین کا تعاون

ادارہ عثمانیہ اپنے دو ماہی پروگرام کے تحت نذر قارئین کرنے کے بعد پہلا سال حق تعالیٰ کی مدد اور معاونین کے تعاون سے نہایت کامیابی، نیکنامی، اور وقت وعدہ کی مکمل پابندی کے ساتھ پورا کر چکا ہے۔ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور "رؤیا الطیب" دو کتب دو جلدوں میں ایک ہی پروگرام میں ادارہ نے ایک سال میں چھ کتب "آفتاب نبوت حصہ اول" "آفتاب نبوت حصہ دوم" "اجتہاد اور تقلید" "انسانیت کا امتیاز اور کائنات روحانی در یک جلد" "علم غیب کامل" "اسلام کا اخلاقی نظام" اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، ایک سال کے قلیل عرصہ میں چھ کتب کی پیشکش ایک چھوٹے سے ادارہ کیلئے بڑی زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ ہم تحدیث نعمت اور شکر خداوندی کے ساتھ ان معاونین کیلئے دعائے خیر و فلاح کرتے ہیں کہ جن کے مخلصانہ تعاون نے تمام اسباب میں ہمارے لئے عظیم الشان سہارا مہیا کیا۔ ادارہ خاص طور پر ان حضرات معاونین کا

Marfat.com

شکر گذار جو خود ممبر بنے اور اپنے اعزا اور احباب کو بھی اس طرف توجہ دلائی اور ان کے مکمل پتوں سے ادارہ کو نوازا۔

معاونین کرام کی ان ہی بیش بہا توجہات کے سہارے آئندہ سال بھی ادارہ باوجود موجودہ دور کے ناسازگار حالات کے اپنی مثالی جرأت و حوصلہ، کے ساتھ اپنے مجوزہ پروگرام کی تکمیل کرنا چاہتا ہے جس میں معاونین کی بیش از بیش اعانت و نصرت کی ہر گام ضرورت ہے۔

لہٰذا خود معاون بننے کے ساتھ اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں معاون بنانے کی کوشش کریں ادارہ کو اس طرح ترقی اور مدد دینے کا دوسرا نام تبلیغ دین اور اشاعت علوم نبوی کے انوکھے طریقے کو چار چاند لگانا ہے۔ فاللہ یجزیکم بخیر ونعمۃ

احقر امتیاز احمد قیصر عثمانی

ناظم ادارہ و استاذ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

Marfat.com

ادارہ عثمانیہ

اپنے معاونین کرام کی خدمت میں بصد خلوص و نیاز

عید سعید

کے

مبارک موقعہ پر ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کرتا ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

منجانب

ناظم و اراکین ادارۂ عثمانیہ رجسٹرڈ ۔ لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حرف آغاز	۳
۱	ڈاڑھی کی شرعی حیثیت	۹
۲	ڈاڑھی ایک مستند اور مستمر عمل ہے	″
۳	ڈاڑھی کے بارہ میں غلط روی اور اس کا منشا	۱۰
۴	ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں تخیلات	۱۴
۵	جمال پسندی انسانی فطرۃ اور خدائی شریعت ہے	۱۶
۶	جمال ظاہر و باطن کا معیار اسوۂ نبوی ہے	″
۷	ڈاڑھی کے ثبوت کے چار طریقے	۱۷
۸	ڈاڑھی رکھنا فطری جذبہ ہے	۱۹
۹	ڈاڑھی رکھنا کسی دلیل کا محتاج نہیں	۲۰
۱۰	مؤاخذہ ڈاڑھی نہ رکھنے پر ہو سکتا ہے رکھنے پر نہیں ہو سکتا۔	۲۳
۱۱	ڈاڑھی قومی زندگی کی علامت ہے اور اسکا صفایا مردنی کی دلیل ہے	۲۵
۱۲	سنت کی اصطلاحی حیثیت سے ڈاڑھی ہونیکا ثبوت سنت کی لغوی حیثیت سے ڈاڑھی ہونیکا ثبوت	۲۸
۱۳	سنت کی نوعی حیثیت سے ڈاڑھی کے ضروری ہونیکا ثبوت	۳۲
۱۴	سنت بقاء واجب کا ذریعہ ہے	۳۳
۱۵	سنت تحصیل واجب کا بھی وسیلہ ہے	۳۵
۱۶	ڈاڑھی پر اجماع انبیاء، ڈاڑھی اور تعامل انبیاء	۳۷
۱۷	ڈاڑھی تمام ادیان و شرائع میں ضروری ہے ڈاڑھی تمام اقوام و ملل کا متفقہ فیصلہ ہے	۳۷ و ۳۸

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸	ڈاڑھی کے وجوب کا استنباط	۳۸
۱۹	ڈاڑھی کا وجوب صیغہ امر سے	۳۹
۲۰	ڈاڑھی کا وجوب لفظ امر سے	۴۱
۲۱	منفی پہلو یعنی ڈاڑھی نہ رکھنے کی ممانعت اصولی رنگ سے	۴۳
۲۲	ڈاڑھی نہ رکھنے کی ممانعت صریح الفاظ میں	۴۵
۲۳	ڈاڑھی بڑھانا طاعت اور منڈانا معصیت ہے	۴۸
۲۴	ڈاڑھی نہ رکھنے میں معصیت کے دو پہلو	۵۱
۲۵	ڈاڑھی نہ رکھنا عورتوں کی ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہے	۵۲
۲۶	ڈاڑھی کا جدا کرنا قابل تاوان جرم ہے	۵۴
۲۷	ڈاڑھی رکھنے کے وجوب کی ایک دوسری دلیل	۵۵
۲۸	ڈاڑھی پست کرنا تغیر خلق اللہ میں داخل ہے	۵۶
۲۹	ڈاڑھی کی شرعی مقدار	۶۱
۳۰	کیا یہ مقدار قبضہ (ایک مشت) شرعی مقدار ہے	۶۷
۳۱	ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں امت کا عمل اور فقہاء کی تصریحات	۸۹
۳۲	شکیوں کے شبہات	۹۲
۳۳	جواب کی تفصیل	۹۴
۳۴	منکرین ڈاڑھی کی حیلہ جوئیوں کے مختلف ڈھنگ	۱۰۸
۳۵	خاتمہ کلام	۱۱۶

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

داڑھی کی شرعی حیثیت

سُبحان من زیّن الرجال باللحیٰ وزیّن النساء بالذوائب

(پاک ہے وہ ذات جس نے آراستہ کیا مردوں کو داڑھیوں سے اور عورتوں کو مینڈھی چوٹیوں سے)

تمہید

داڑھی ایک مستند اور مسلّم عمل ہے

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ امّا بعد!

داڑھی رکھنے نہ رکھنے کا مسئلہ اسلامی نقطۂ نظر سے جس قدر واضح، بدیہی، سادہ، اور سہل العمل تھا آج کے دور ہوا و ہوس نے اُسے اتنا ہی مشکل، پیچیدہ، اور معرکۃ الآراء بنا دیا ہے عقل سلیم اور نقل صحیح کی قوۃ اس کی پشت پر تھی، تعامل سلف کی طاقت اس کے دائیں

Marfat.com

باتیں تھی۔ اور پیروئی خلف کی مدد اس کے آگے پیچھے تھی ان قوتوں سے یہ مسئلہ ایک مضبوط اور محکم قانون اور مستند رواج یا سنت حسنہ کی صورت سے قرون امت پر چھایا ہوا تھا۔ اگر اس مسئلہ کو انہی میزانوں میں تول تول کر دیکھا جاتا رہتا تو اس میں کوئی بھی پیچیدگی رونما ہوسکتی۔ لیکن جبکہ خارجی اثرات اور ایک فلسفانہ تمدن کے ماحول میں رائے خالص اور ہوائے نفس سے اس کا جائزہ لیا جانے لگا تو قدرتاً مسئلہ کی شرعی حیثیت مشتبہ اور بے بصیرت قلوب سے اوجھل ہوگئی۔ جس کا طبعی نتیجہ وہی پیچیدگی تھی جو پیدا ہوئی۔ اور لوگ جہل وحیرت اور کجروی کا شکار ہو گئے۔

ڈاڑھی کے بارہ میں غلط روی اور اسکا منشا

اس پیچیدگی اور تحیر کا نتیجہ بے عملی کے ساتھ ساتھ دور از کار سوالات اور شک آمیز بلکہ شک انگیز استفسارات کی صورت میں برآمد ہوا چنانچہ ہمیں بھی اس قسم کے چند سوالات موصول ہوئے جو کسی جویائے عمل کی طرف سے نہیں سمجھے جاسکتے بلکہ ایک عمل سے کتراتے ہوئے اور اپنی بے عملی کی پردہ پوشی کے لئے کٹ حجتیوں کے متلاشی انسان کی طرف سی ہوسکتے ہیں۔ سوالات یہ ہیں۔

(۱) ڈاڑھی منڈانے یا کترانے کے معصیت ہونے کی کیا دلیل ہے؟

Marfat.com

(۲) ڈاڑھی کی مقدار قبضہ (بقدر یکمشت یعنی ایک مٹھی) کے واجب یا سنت مؤکدہ ہونے کی کیا دلیل ہے ؟

سوالات سے خود ہی واضح ہے کہ سائل کو عمل مقصود نہیں صرف الجھنا الجھانا اور حیلہ جوئی یا بہانہ تراشی پیش نظر ہے کیوں کہ ڈاڑھی رکھنے کے ثبوت یا مسئلہ کی نوعیت کا سوال نہیں کیا گیا جو ایک جو پائے عمل کیا کرتا ہے تاکہ نوعیت مسئلہ اور اس کا ثبوت ملتے ہی وہ عمل کے میدان میں اتر پڑے۔ بلکہ اس کی خلاف ورزی کے معصیت ہونے کا ثبوت مانگا گیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کی نوعیت کا ثبوت تو سائل کے ذہن میں ہے، ورنہ اس سے آگے کی بات یعنی خلاف ورزی کے معصیت ہونے کی دلیل نہ پوچھی جاتی۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہے کہ سائل کے ذہن میں خلاف ورزی اور ترک عمل بھی طے شدہ ہے اسی لئے مطالبہ ہے تو اس کا کہ یہ خلاف ورزی اور معصیت شرعاً کس درجہ کی ہے؟ گویا اگر معمولی سی ہے تب تو معصیت کو چلنے دیا جائے ورنہ پھر کوئی اور حیلہ سوچا جائے جس کا حاصل وہی الجھنا الجھانا اور عمل سے بچنے کے لئے حیلہ جوئی اور بہانہ تراشی کی منزلیں طے کرتے رہنا ہے۔ نیز سوال میں خود اپنی طرف سے پہلے ہی متعین کر کے تخصیص کے ساتھ یہ پوچھنا کہ ڈاڑھی کی مقدار کے واجب یا سنت مؤکدہ

Marfat.com

ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اسی کی دلیل بن سکتا ہے کہ سنت مؤکدہ سے نیچے کے درجات خواہ وہ سنت مطلقہ ہی یا مستحب اور افضل اولی سائل کے ذہن میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے کہ وہ قابل عمل یا قابل التفات بھی ہوں گویا شرعی عمل کا زینہ ہی اُس کے یہاں واجب سنت مؤکدہ سے شروع ہوتا ہے جو قریب واجب ہی کے ہوتی درحالیکہ شرعی نقطۂ نظر سے سنت و مستحب اور افضل و اولی بھی شو کے ثبوت ہی کی صورتیں ہیں مگر ان کی تلاش جویائے عمل کو ہوتی ہے بیزارِ عمل کو نہیں۔ بلکہ ایک متلاشیٔ عمل کو تو اپنی حرصِ عمل سے اگر تلاش ہوتی ہے تو اس کی کہ یہ عمل ممنوع یا معصیت تو نہیں؟ اگر ممنوع ثابت نہیں ہوتا تو وہ اپنا ذوقِ عمل اور شوقِ تعمیل پورا کرنے کے لئے اس کی اباحت ہی کو کافی حجت سمجھ لیتا ہے استحباب و سنت وغیرہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ پس عمل کے متلاشی کے لیے ثبوت کا کم سے کم درجہ بھی کافی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عمل کی گنجائش تلاش کرتا ہے بدعملی کی نہیں۔ لیکن بیزارِ عمل اپنی بے عملی کے لیے گنجائش ڈھونڈھتا ہے کہ ذرا سا بھی حیلہ مل جائے تو وہ اپنی بدعملی پر جواز کا پردہ ڈال لوگوں کے سامنے اپنی ذہنی خفت و شرمندگی کو ہلکا کر لے۔ اسے وہ اپنے ذوقِ بے عملی سے مغلوب رہتے ہوئے مسئلہ کے ثبوت

Marfat.com

کے تو بڑے سے بڑے درجہ کو بھی کافی نہیں سمجھتا لیکن مسئلہ کے
لیے سند بنانے کے لئے چھوٹے سے چھوٹے شبہ کو بھی حجۃ کا
درجہ دینے پر آمادہ رہتا ہے اس لئے بدعملی کے سلسلہ میں اسے
ثبوت درکار ہوتا ہے تو خلاف ورزی اور جرم کی نوعیت کا تاکہ
شبہ کی گنجائشیں نکال کر اپنے حق میں اس بدعملی اور معصیت کی وجہ جواز
سے اپنے دل کو بہلاتا رہے نہ کہ مسئلہ کے ثبوت کی نوعیت کا۔ غرض
کسی جویائے عمل کی طرح یہ نہیں دیکھتا کہ عمل پر اسے کتنا ثواب ملے گا؟
کم بھی ملے تو اسے کبھی نہ چھوڑے کہ جنت میں ایک کوڑی کی جگہ
بھی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی بدعملی پر
سزا کس درجہ کی مرتب ہوگی؟ اگر ہلکی اور معمولی قسم کی ہو تو اسے اس وقتی
لذت بدعملی کی خاطر گوارہ کرلے تاکہ حظ نفس میں خلل نہ پڑے اور اگر شدید
قسم کی ہو تو اسے کسی نہ کسی حجۃ کی آڑ لے کر اپنے سے ہٹا ہوا سمجھ لے تاکہ بے
فکری سے بدعملی کی نفسانی خواہش پوری ہوتی رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی
بدعملی کے لئے حجت تلاش ہوئی نہ کہ عمل کے لئے اس نفسیاتی
روگ کے تحت سائل نے ڈاڑھی کے مسئلہ میں سوال اس کے
ثبوت کا نہیں کیا جس سے عمل کا تعلق ہوتا بلکہ معصیت کے ثبوت کا
کیا جس سے بدعملی کا تعلق ہے۔

ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں تخیلات

ایسے ہی ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں بھی سائل نے اگر ثبوت مانگا تو اپنی طرف سے اسکی اپنی نوعیت متعین کر کے کہ وہ واجب یا سنت مؤکدہ ہونی چاہیے جو قریب بواجب ہے۔ یعنی سوال یہ نہیں ہے کہ ڈاڑھی کی مقدار یک مشت کے مطلوب شرعی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ بلکہ یہ ہے کہ اس کے واجب ہونے کی کیا دلیل ہے یعنی واجب سے کم درجہ پر وہ راضی ہی نہیں ہے کہ اسے تنجیۃ کا درجہ دے بالفاظ دیگر گویا واجب یا سنت مؤکدہ سے نیچے کے مراتب جیسے سنت محضہ یا مستحب یا اولی وافضل وغیرہ حکم کے شرعی مراتب ہی نہیں ہیں یا ہیں تو قابلِ التفات نہیں ہیں۔ درحالیکہ شریعت نے ترکِ فرض پر عذاب، ترک واجب پر عتاب، ترک سنت پر ملامت اور ترک مستحب پر تقلیل لطف وعنایت کی دھمکی دی ہے جس سے ان سب کا مطلوب العمل ہونا واضح ہے (جیسا کہ فقہاء نے اصول میں اسے ثابت کیا ہے) باقی فرض و واجب اور سنت ومستحب کا یہ فرق درحقیقت ان احکام کے فقہی مراتب اور نظری درجات کا فرق ہے جس سے ان کے مطلوب العمل ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان میں سے کسی ایک کے غیر ضروری العمل یا غیر مطلوب العمل ہونے کا دعویٰ اپنا ذاتی نظریہ ہوگا شرعی عقیدہ نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

بہرحال ان مذکورہ سوالات کا منشا خود سوالات کی عبارت سے جہانتک کھلتا ہے وہ سائل کا داعیۂ عمل نہیں بلکہ جذبۂ بے عملی اور اس کی پردہ داری کے لئے حیلہ جوئی نکلتا ہے۔ اندریں صورت جواب کے لئے دل نہیں اوبھرتا تھا کہ کیوں خوانخواہ دماغ کو سوہان لگائی جلئے اور وقت کا خون کیا جائے۔ ہم محنت کر کے مسئلہ کی تحقیق پیش کریں اور وہ احتمال آفرینی سے ذرا ذرا سے حیلوں سے اُسے مشکوک بنانے کی کوشش کریں جس سے علم کی بھی بے قدری ہو اور اپنی محنت بھی اکارت جائے۔

لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ اس قسم کی حیلہ جوئیوں اور بہانہ سازیوں کی مسلسل کوشش سے کہیں سادہ ذہن لوگ شکوک میں مبتلا ہو کر رہے سہے عمل کو بھی خیر باد نہ کہہ دیں۔ بالخصوص اس دور میں جبکہ ترک عمل کے لئے معمولی سا حیلہ بھی ایک بہانہ ہوتا ہے، اور عمل کے لئے قوی سے قوی ثبوت مضبوط سے مضبوط دلیل اور سخت سے سخت تاکید بھی بے اثر رہ جاتی ہیں۔ دل نے گوارہ نہ کیا کہ اس بارہ میں قلم و کاغذ اور خامہ فرسائی میں بخل سے کام لیا جائے گو علمی میدان میں اپنے سے بوجہ ضعف استعداد کچھ بن نہیں آتا کہ

من ہیچم و کم از ہیچ بسیارے　　　　از ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے

Marfat.com

تاہم جس قدر بھی اپنی بضاعۃ مزجاۃ کام دے سکتی تھی اس سے دریغ نہ کرتے ہوئے ان سوالات پر تحقیق و الزام دونوں نوعیتوں سے کلام کیا گیا ہے جو ان اوراق میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

جمال پسندی انسانی فطرۃ اور خدائی شریعت ہے

سوالات مذکورہ کے اصل جواب سے پیشتر اتنی گذارش مخل مقصود نہیں بلکہ معین مقصود ہوگی کہ جمال پسندی یا ظاہر آرائی طبعی ہونے کے ساتھ ساتھ شرعی بھی ہے یعنی جیسے ظاہری شائستگی و تہذیب اور بدن کو تجمل کے ساتھ رکھنا اور دیکھنا انسان کا طبعی جذبہ ہے جس سے دنیا کی کوئی قوم اور کسی قوم کا کوئی طبقہ شہری ہو یا دیہاتی نیک ہو یا بد مومن ہو یا کافر مستثنیٰ نہیں ایسے ہی شریعت اسلام نے بھی اس جذبہ کو پامال نہیں کیا بلکہ باقی رکھتے ہوئے حسن ظاہری اور جمال ہیئۃ کو پسند کیا ہے۔

جمال ظاہر و باطن کا معیار اسوۂ نبوی ہے

فرق اتنا ہے کہ مادی قسم کے انسان اس جمال کے حسن و قبح کا معیار اپنی طبعی خواہش یا زیادہ سے زیادہ رواج اور قومی روایات کو سمجھتے ہیں اور منہاج انبیاء پر چلنے والے اس کی خوبی و خرابی کا معیار اسوۂ انبیاء کو جانتے ہیں ان کے نزدیک اس جمال کے حسن و قبح کی کسوٹی ہوائے نفس نہیں بلکہ ہُدیٰ ہے جس کا دوسرا نام سنتِ انبیاء ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر ہیئۃ کے لئے ایک

Marfat.com

حقیقت ہے جس سے ہیئیت کا ظہور ہوتا ہے اور ظہور کے بعد یہی ہیئیت پھر اس حقیقت پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے یہ حقیقت باطن انسان میں ہم کر جڑیں چھوڑ دیتی ہے اور ایک ملکہ راسخہ بن جاتی ہے جس سے پھر ظاہری ہیئتہ کے افعال بآسانی سرزد ہونے لگتے ہیں اور آدمی کا ظاہری جمال خود بخود یہی مطلوبہ شائستگی کی راہ ہو لیتا ہے اس لئے شرعاً جمال ں وہی ہیئتیں پسند کی گئی ہیں جو اچھی ہی حقیقتوں سے نکلی ہوئی ہوں ور پھر اچھی ہی حقیقتوں کو دل میں راسخ اور پائیدار بنائیں اور اس سے کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ یہ اچھی حقیقتیں کمال حسن وخوبی کے ساتھ اگر سی طبقہ میں ساری کی ساری جمع ہیں تو وہ طبقہ انبیاء علیہم السلام کا ہے جو بلا واسطہ اس حقیقۃ الحقائق سے مستفید ہوا ہے جو ساری خوبیوں اور اچھی حقیقتوں کا سرچشمہ اور ہر عیب ونقص سے بری ومنزہ ہے یعنی ذات بابرکات حق جل مجدہ۔ اس لئے قدرتاً اسی مقدس طبقہ کی فطرۃ جمال ظاہر وباطن کا معیار قرار دی جا سکتی ہے۔ بس جو باطن اس پاک گروہ کے باطن کے مطابق ہو وہی خوب ومرغوب ہے اور جو ظاہر اس طبقہ کے ظاہر کے مطابق ہو وہی حسن ہے ورنہ قبیح۔

ڈاڑھی کے ثبوت کے چار طریقے

اندریں صورت اگر انبیاء علیہم السلام کسی چیز کا استحسان ظاہر فرمائیں تو دانش کا

Marfat.com

تقاضا یہ ہے کہ اسے قبول کیا جائے اور اگر کسی چیز کو پسندیدہ نگا ہوں سے دیکھ کر خود اپنا اسوہ بنا لیں تو منہاج نبوت کے عقیدتمندوں کا خوشگوار وظیفہ یہی ہونا چاہئے کہ وہ بھی اُسے دستور العمل بنا لیں۔ اور اگر یہ مقدس طبقہ کسی چیز کے بارہ میں ترغیبی کلمات بھی استعمال فرمائے یعنی دوسروں کے حق میں بھی اسے پسند کرے تب تو وہ حرز جان بنا لینے کی قابل ہے اور اگر اس سے آگے ہو کر کسی چیز کو وہ اپنی امت کے حق میں ضروری قرار دے تو اس کے لئے تو سرتاپا تعمیل اور اس کے خلاف سے سرتاپا گریز بن جانا چاہئے۔ ظاہر ہے کسی چیز کی مشروعیت یا خدائی دستور کے جزو ہونے کی یہی چار صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا وہ بذاتہ مستحسن کہی جائے یا اسوۂ پیغمبر ہو یا اس کے بارہ میں ترغیبی عنوان اختیار کیا گیا ہو اور یا اُس کا صریح امر و نہی کیا گیا ہو۔ اب اگر کسی چیز میں یہ چاروں طریقے اختیار کیے گئے ہوں کہ وہ خود بھی اچھی بتائی گئی ہو اسوۂ پیغمبر بھی ہو اس کی ترغیب بھی دی گئی ہو اور اس کا امر بھی کیا گیا ہو تو اس سے زیادہ اس کے مشروع ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ ڈاڑھی کے مسئلہ میں حسن اتفاق سے یہ چاروں وجوہ مشروعیت جمع ہیں۔

Marfat.com

فطرۃ

ڈاڑھی رکھنا فطری جذبہ ہے

(۱) صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ہیں جسے صحیح مسلم نے روایت کیا ہے۔ دس باتوں کو فطرۃ کہا گیا ہے (۱) مونچھیں پست کرنا۔ (۲) ڈاڑھی بڑھانا۔ (۳) مسواک سے دانت صاف کرنا۔ (۴) ناک میں پانی دیکر غلاظت دور کرنا۔ (۵) ناخن لینا۔ (۶) انگلیوں کے جوڑوں کے اوپر کے حصہ کو صاف رکھنا۔ (۷) بغل کے بال لینا۔ (۸) زیر ناف کے بال صاف کرنا۔ (۹) پانی سے استنجاء کرنا۔ اور (۱۰) کلی کرنا (دیکھو مسلم باب خصائل الفطرۃ) اس حدیث میں ڈاڑھی رکھنے کو فطرۃ کہا گیا ہے فطرۃ کے شرعی معنی اصلیت کے ہیں پس فطری امور کے معنی امور اصلیہ کے ہوئے جو شے کی اصل اور بنیاد میں رچے ہوئے ہوں دلیل کے زور سے یا کسی خارجی قوۃ کے ذریعہ پیچھے نہ لگائے گئے ہوں۔ بلکہ بلا تعلیم و تلقین شے کے مزاج میں پیدائشی طور پر پڑے ہوئے ہوں جیسے بھوک پیاس جنسی میلان وغیرہ انسان کے حق میں طبعی امور ہیں استدلالی نہیں ہیں کہ دلائل سے حاصل کیے جاتے ہوں کوئی بھی دلائل کی قوت سے بھوکا پیاسا نہیں لگتا وہ از خود ہی اندرونی تقاضا سے لگتی ہے بلکہ لگنے سے قبل یا بعد

لاکھ دلیلیں بھی اس کے خلاف قائم کی جائیں تب بھی وہ لگنے سے نہیں رک سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ بھوک پیاس لگنے پر کسی سبب یا وجہ کی تلاش نہیں کی جاتی کہ یہ حادثہ کیوں پیش آگیا؟ کیونکہ وہ اصل ہے اور اصل کے لئے سب سے بڑی دلیل طبعی داعیہ اور فطری جذبہ ہوتا ہے جو دلیل سے بالاتر چیز ہے۔ پس یہاں لِمَ اور کَیفَ یعنی چون وچرا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اگر بھوک پیاس بند ہو جائے تو ضرور سبب اور وجہ کی تلاش کرتے ہیں کہ یہ غیر طبعی بات کیوں پیش آئی؟ اور اس صورت میں اس بندش کو خلاف اصل اور مرض سمجھکر اُسے زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو یقیناً زائل ہو بھی سکتی ہے کیونکہ اصل اور اصلیت کا حصہ نہیں عوارض سے پیدا شدہ چیز ہوتی ہے ان عوارض کے زائل ہونے سے طبیعت اپنی اصلیت پر آکر اسے خود دفع کر دیتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان عوارض کو وجوہ و دلائل سمجھ کر اس غیر اصلی چیز (بندش بھوک پیاس) کو تھاما جائے گویا مرض کو پالا اور بڑھایا جائے۔

ڈاڑھی رکھنا کسی دلیل کا محتاج نہیں

ٹھیک اسی طرح ڈاڑھی رکھنا بھی فطرۃ بتلایا گیا ہے گویا اس کا ہونا تو اصل ہے اور نہ ہونا خلاف اصل ہے پس اس کے رکھنے کا ارادہ اور وقوع اصلی ہے جو انسان کی سرشت میں پڑا ہوا ہے کسی عارضی یا خارجی قوۃ

Marfat.com

سے اُسے بے وجہ سمجھا نہیں دیا گیا ہے کہ وہ باہر کے دباؤ سے اُسے
مان رہا ہے۔ اور وہ چونکہ اصل اور بمنزلہ صحت کے ہے تو اس کے
لئے کسی خاص سبب یا تعلیم و تلقین یا دلیل کی حاجت نہیں صرف سلامتیِ
طبیعت کافی ہے البتہ ریش تراشی چونکہ خلاف اصل اور بمنزلہ مرض کے
ہے اس لئے وہ ضرور کسی بیرونی عارضہ اور دباؤ سے ہی ہو سکتی ہے۔
جس کے سبب اور محرک کی تلاش کی جائے گی اور وہ بھی اس لئے
کہ اُس سبب کا ازالہ کر کے اس خلاف اصل مرض کو زائل کیا جائے۔
نہ اس لئے کہ ان غیر طبعی عوارض کو جنھوں نے ریش تراشی پہ آمادہ کیا تھا
اصل قرار دے کر ریش تراشی کو صحت سمجھ لیا جائے اور اُسے پالا اور
پوسا جائے۔ بہر حال ڈاڑھی کے منکروں کے مقابلہ میں سب سے بڑی
اور سب سے پہلی دلیل تو یہی ہے کہ اُسے فطرۃ کہکر مستغنی عن الدلیل
بتلایا گیا ہے جو سو دلیلوں سے بڑھ کر دلیل ہے گویا اس کے ثبوت
اور وقوع کے لئے دلیل کا مطالبہ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ طبیعت کا
اندرونی تقاضا ہی اس کے لئے دلیل ہے جبکہ وہ صحت ہے مرض
نہیں ہے دلیل کا مطالبہ اگر ہو سکتا ہے تو ڈاڑھی کے منکروں سے
ہو سکتا ہے جو ایک خلاف فطرۃ کام کر رہے ہیں مگر وہی آج تک ڈاڑھی
منڈانے یا ترشوانے کی کوئی معقول حجت بجز شوقینیٔ نفس یا کسی غلط

Marfat.com

رواج اور ماحول کی اندھی تقلید کے پیش نہیں کر سکے ہیں مگر اس دور کے عجائبات میں سے یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ ڈاڑھی نہ رکھنے والے ڈاڑھی والوں سے دلیل کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ یہ حق ڈاڑھی والوں کا ہے کہ وہ منڈوانے والوں سے حجۃ طلب کریں پس آج کے لوگوں کا یہ کہنا کہ ڈاڑھی رکھنے کی آخر دلیل کیا ہے جو علماء ہم سے ڈاڑھی رکھنے کا مطالبہ فرماتے ہیں ایک مہمل اور لایعنی سوال ہے معقول سوال یہ ہے کہ آخر ڈاڑھی نہ رکھنے کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ سوال صحت کی وجہ کا نہیں ہوتا۔ بلکہ مرض کی وجہ کا ہوتا ہے طبیب کسی کے گھر کبھی اس لئے نہیں جاتا کہ اہل بیت کی تندرستی کی وجوہ دریافت کرتا پھرے کہ وہ اصل ہے اور اصل کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور وجودی چیز ہے اور وجود اپنی دلیل خود ہے نہ گھروں پر اس لئے جاتا ہے کہ مریض کے مرض کی وجوہ تلاش کرے کہ مرض عدمی چیز ہے اور عدم بغیر کسی محرک اور مرجع کے وجود پذیر نہیں ہوتا تو اسی کے وجوہ واسباب بھی دریافت کئے جاتے ہیں تاکہ ان کا ازالہ کر کے عدم سے نجات دلائی جا سکے۔ درخت پر پھل آجائیں تو کوئی وجہ دریافت نہیں کرتا کہ کیوں لگے ہیں لیکن نہ لگیں تو اس عارض کی وجہ ضرور تلاش کی جائے گی کہ اس کے ازالہ سے اس

68563

Marfat.com

مرض کا ازالہ کیا جائے۔

پس علماء ڈاڑھی رکھنے والوں کے گھر نہیں پہنچتے کہ ان کے ڈاڑھی رکھنے کی وجہ کیا ہے کیونکہ ڈاڑھی کا وجود کوئی عدمی چیز یا مرض نہیں ہے نہ اس کے اسباب کی کھوج لگا کر ان اسباب کے ازالے سے اس مرض کا ازالہ کیا جائے البتہ وہ ڈاڑھی منڈانے والوں سے ضرور پوچھیں گے کہ آخر اس بیماری کی وجہ کیا ہے کہ اسے دفع کر کے اس روگ کو مٹایا جائے اب اگر الٹے بیمار ہی طبیب سے جو اصول طب پر چلتے رہنے سے تندرست بھی ہے اس کی تندرستی کی وجہ پوچھنے لگیں اور اسے نصیحت کریں کہ وہ اس تندرستی کو جلد سے جلد زائل کر دے تو کیا یہ تلقین خلل کا اور نہ صفا پن بھی نہ ہوگا؟ اور کیا اس پر یہ مثل صادق نہ آوے گی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے یہ وجہ پرسی تو طبیب کا کام تھا جس پر بیشتر اشخاص کے مریض کو وجہ مرض صاف صاف کہہ دینی چاہئے تھی تاکہ اس مرض کا علاج کیا جاتا" غرض ڈاڑھی رکھنے کے لئے وجہ اور دلیل کی ضرورت نہیں جو مقصود ہی ہے

مواخذہ ڈاڑھی نہ رکھنے پر ہو سکتا ہے رکھنے پر نہیں ہو سکتا

دنیا کی تمام قوموں میں خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتی ہوں، ڈاڑھی رکھنے کا علاج چلا آ رہا ہے گو ان میں ایسے طبقات بھی ہیں جو ڈاڑھی نہیں رکھتے اور ڈاڑھی رکھنے والوں پر ملامت بھی کرتے ہیں

Marfat.com

مگر اُن کے وجود سے قوم کی اس عمومی خواہش کی عمومیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ ڈاڑھی نہ رکھنے والے اک آئی چیز کو زائل کرتے ہیں جن سے پوچھ گچھ ہو سکتی ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لیکن رکھنے والے آئی ہوئی کو برقرار رکھتے ہیں اس لئے ان پر یہ مطالبہ عائد ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیوں کہ ڈاڑھی ان کے لائے نہیں آرہی ہے اور ان کے بڑھائے بڑھ نہیں رہی ہے کہ اس کے آنے اور بڑھنے کا سوال ان سے کیا جائے؟ وہ ان کا فعل ہی نہیں کہ انھیں اس کا ذمہ دار یا مسئول ٹھہرایا جائے وہ تو ایک خدائی صنعت اور کاری گری ہے جو ان کے ارادہ و اختیار اور کسب و فعل کے بغیر اندر سے ابھرتی چلی آتی ہے تو اُن پر اس کی ذمہ داری کب ہے کہ ان سے اس کے آنے اور بڑھنے کو پوچھا جائے ان کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اس خدائی فعل کا بلا اذن خداوندی اپنے کسی منافی فعل سے معارضہ نہ کریں۔ البتہ ریش تراشوں پر سوال و مؤاخذہ سب کچھ عائد ہو سکتا ہے کہ ریش تراشی خود اُن کا فعل ہے اور وہ بھی بمقابلہ فعل حق اس لیئے وہ ہی اس کے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں۔ اور انہی سے اس بے جا حرکت کی وجہ پوچھی جائے گی کہ انہوں نے ایک اُگے اگائے چمن کو بلا اذن مالک کیوں اجاڑا؟ اس لیئے وہ مستحق ملامت ہوں گے نہ کہ محافظان چمن۔

Marfat.com

ڈاڑھی قومی زندگی کی علامت ہے اور اس کا صفایا مردنی کی دلیل ہے

اس سے ایک لطیفہ یہ بھی واضح ہوا کہ ڈاڑھی رکھنے والے ڈاڑھی رکھ کر مثبت پہلو پر قائم ہیں جو وجودی ہے اور نہ رکھنے والے اُسے مٹا کر منفی پہلو پر ہیں جو عدمی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی قوم کی زندگی اور اس کا حقیقی وجود مثبت افعال ہی سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ منفی پہلوؤں سے کھانے پینے کے افعال سے قوم کا وجود باور ہوگا جو وجودی افعال ہیں نہ کہ کھانے پینے سے معطل ہو کر پڑ جانے سے جو عدمی پہلو ہے۔ چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے ہی سے ایک قوم کی زندگی اور موجودگی پر استدلال کیا جائے گا نہ کہ اپاہج بنکر معطل پڑے رہنے سے غرض صحت مندانہ افعال ہی سے قوم کی زندگی اور موجودگی پہچانی جاتی ہے نہ کہ مرضیلے اور رجرانیمی جمود وخمود سے۔ اس لئے قوم درحقیقت کہا ہی جائے گا اُس حصہ کو جو صحت مند اور صحت مندانہ افعال پر قائم ہے۔ مرضیلا اور رد گی حصہ حقیقتاً قوم ہی نہیں اُسے طبعاً پہلے حصہ کے ساتھ رلا ملا کر گویا مجازاً قوم کہہ دیا جاتا ہے اور بالفاظ دیگر صرف اعداد وشمار میں شامل کر لیا جاتا ہی اور جبکہ ڈاڑھی رکھنا بھی فطرۃ ہونے کی وجہ سے کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کی طرح وہی مثبت اور وجودی پہلو ہے جن سے قوموں کی زندگی پہچانی جاتی ہے تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہر قوم میں حقیقتاً قوم کہلانے کا مستحق

Marfat.com

وہی حصہ ہے جو ڈاڑھی رکھ کر فطری اور رشتہ پہلو پر قائم ہے ڈاڑھیوں کو نیست و نابود کر دینے والا طبقہ گویا ایک مضمحل اور روگی طبقہ ہے جو معدوم نہیں ہے تو کالعدم ضرور ہے اس لئے یہ حصہ قوم کہلانے ہی کے قابل نہیں قوم وہی حصہ کہلا سکتا ہے جو اس شعار انسانیت کو مٹائے ہوئے نہیں ہے۔

ڈاڑھی رکھنا کسی طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں

اس لئے یہ کہنا بجائے خود صحیح ہوگا کہ ڈاڑھی رکھنا دنیا کی تمام اقوام کا مشترک خواہش ہے جب تک کہ وہ قوم قوم ہے اور اس میں جتنی قائم ہے وہ روگی اور مضمحل ہو کر روکش عدم نہیں ہو چکی ہے۔ اس لئے علماء و صلحاء کو یہ کہکر ہدف ملامت بنانا کہ یہ ان کا اٹھایا ہوا مسئلہ ہے۔ گویا ایک غیر فطری بات ہے یا انہی کے ساتھ مخصوص ہے گویا طبقاتی چیز ہے عمومی نہیں حدیث کے لفظ فطرۃ کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔

ڈاڑھی رکھنا صلاح و رشد کی علامت ہے

ہاں اس سے انکار نہیں کہ طبقاتی حیثیت سے عموماً ڈاڑھی رکھنے والے ہر قوم میں وہی لوگ زیادہ ہوتے ہیں جن میں صلاح و رشد کے آثار اور وقار و تمکین کے نشانات پائے جاتے ہیں جیسے علماء دین پیشوایان مذاہب۔ مقتدایان قوم اور باوقار امراء و سلاطین۔ بلکہ جو بھی

Marfat.com

صلاح و رشد اور دین و تقویٰ کی طرف مائل ہوتا ہے وہ انجام کار اپنا دینی رخ درست کرنے کے لئے ڈاڑھی کی طرف بھی ضرور جھکتا ہے گویا ڈاڑھی صلاح و رشد ہی کا دوسرا رخ ہے یعنی صلاح و رشد باطن ہے اور یہ ڈاڑھی اسکا ظاہر ہے سو اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی وقار و تمکنت کی نشانی تقدس یا صلاح و رشد کی علامت ہی مگر یہ نہیں نکلتا کہ وہ اس طبقہ کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اس کے مکلف نہیں یا اس طبقہ نے خواہ مخواہ دوسروں کو تنگ کرنے کے لئے یہ مسئلہ اٹھا رکھا ہے؟ یہ ایک مستقل دعویٰ ہوگا جس پر آجتک کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی ہے بلکہ ڈاڑھی نہ رکھنے والوں کا اسکے رکھنے کی دلیلیں پوچھتے رہنا یا منڈوانے کی کچھ مزعومہ مصلحتیں زبان پر لاتے رہنا خود انکے دلوں کے چور کی غمازی کرتا ہے کہ وہ وجوہ و مصالح کی آڑ لیکر اپنے وقار کو نبھانے کی فکر میں ہیں جسے ریش تراشی سے زائل شدہ سمجھ رہے ہیں اور دلوں میں خود بھی محسوس کرتے ہیں۔ ورنہ فطری امور کے لئے توجیہات اور وجوہ پیمائی کی ضرورت نہیں۔

بہر حال فطرۃ کے لفظ سے اولاً ڈاڑھی رکھنے کا مسئلہ بدیہی ثابت ہوا جو اس کے مستغنی عن الدلیل ہونے کی دلیل ہے پھر اسی لفظ فطرۃ سے ڈاڑھی کا تمام بنی نوع انسان کی مشترک خواہش اور طبقاتی یا انفرادی مسئلہ ہونے کے بجائے پوری انسانیت کا مسئلہ ہونا واضح ہوا جو اس کے ناقابل اعتراض اور مستحسن ہونے کی علامت ہے۔

Marfat.com

سُنّت

سُنّت کی اصطلاحی حیثیت سے ڈاڑھی ہونے کا ثبوت

لیکن ڈاڑھی کے بدیہی یا دلیل سے بے نیاز ہونے کا (جیسا کہ لفظ فطرۃ سے واضح ہوا) یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دلائل کی قوت اُس کے ساتھ نہیں جبکہ متعدد انواع دلائل کی کمک بھی اُس کی پشت پر ہے۔

شرعی دلائل کے سلسلہ میں کسی چیز کے شرعی ہونے کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ شریعت کی جانب سے اس کی ترغیب دی جائے اسکے عمل کو مستحسن قرار دیا جائے اس کے کرنے پر کسی نہ کسی نہج سے دباؤ ڈالا جائے اور اس کے نہ کرنے پر ملامت کی جائے۔ ان تمام مفہومات کے لئے شرعی اصطلاحات میں سنۃ کا لفظ وضع کیا گیا ہے جس میں یہ ساری حقیقتیں بیک دم داخل ہیں۔ پس سنّت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ فعل نبوی ہے مستحسن عمل ہے اتباع کے لئے ہے۔ انحراف اور گریز کے لئے نہیں۔ عقیدۃً اس کا کفر یا فسق ہے عملاً اس سے اعراض یا لاپرواہی حرمان و خسران ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے بارہ میں حدیث من حفظ سُنتی اکرمہ اللہ الخ

Marfat.com

(جو میری سنت کا تحفظ کرے گا اسے اللہ نوازے گا) سے تو اتباع سنت کی ترغیب دی گئی ہے۔ پھر حدیث من احبّ سنتی فقد احبّنی (جس نے میری سنت سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی ہیں سنت کو محبت کے نقطۂ نظر سے پیش کر کے محبان نبوی پر اسے لازم العمل بنا دیا گیا ہے۔ پھر حدیث علیکم بسنتی (میری سنت کو لازم پکڑو) سے قانونی طور پر سنت کو لازم العمل کیا گیا کیونکہ کلمہ علیٰ عربی زبان میں لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔ پھر حدیث فمن رغب عن سنتی فلیس منی (جس نے میری سنت سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں یعنی میرا نہیں یا میرے راستہ پر نہیں ہے) سے سنۃ سے اعراض کرنے والوں کی محرومی اور بد نصیبی واضح کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا کرنا مستحسن ہو بلحاظ محبت فرض عملی ہو، بلحاظ آئین شریعت لازمی ہو، اور اس سے گریز بد قسمتی، اور پیغمبر سے انقطاع کے ہم پلہ ہو، اور یہ سب حقیقتیں لفظ سنت کے مفہوم میں شرعاً داخل ہوں تو اس سے زیادہ سنت کے ضروری العمل ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اُسے غیر ضروری العمل یا غیر اہم کہنے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ پس جبکہ ڈاڑھی کو سنت مرسلین فرمایا گیا اور سنت

Marfat.com

بوجوہ بالا ضروری العمل ہے تو ڈاڑھی کا ضروری العمل ہونا محض لفظ سُنّت سے ثابت ہو جاتا ہے اور یہ ایک بے جا جرأت و جسارت ثابت ہوتی ہے کہ ڈاڑھی رکھنے کی سُنّت مطلقہ کو نا کافی یا غیر اہم تصور کرتے ہوئے ڈاڑھی رکھنے کا عمل اس کے واجب یا سُنّت مؤکدہ ثابت ہو جانے پر معلق کیا جاوے بالفاظ دیگر گویا شریعت سے مطالبہ کیا جاوے کہ یا تو وہ اسے سُنّت مؤکدہ اور واجب ثابت کرے ورنہ محض سُنّت کا لفظ بول کر ہم سے عمل کا مطالبہ نہ کرے۔

بہر حال اس بیان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حدیث نبوی میں ڈاڑھی کو سُنّت انبیاء کہا جانا اس کے شرعی ثبوت اور مطالبۂ عمل کے لئے کافی اور اُسے ضروری العمل سمجھنے کے لئے شافی و وافی ہے۔ جو اس کے شرعی ثبوت کا ابتدائی مقام ہے

سنت کی لفظی حیثیت سے ڈاڑھی کے ضروری العمل ہونے کا ثبوت

بلکہ نگاہ کو ذرا اور وسیع کر کے دیکھا جائے تو لفظ سُنّت المرسلین اپنی اصطلاحی حیثیت سے قطع نظر جس کی تفصیل ابھی عرض کی گئی محض اپنی لفظی حیثیت سے بھی جس کے معنی عادت یا طریقہ کے لئے جاویں ضروری العمل ہے کیونکہ سنّت کی نسبت جب انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو کر اس کے معنی طریقۂ انبیاء

Marfat.com

یا عادۃ انبیاء کے ہوتے تو یہ خود ہی اس کا ثبوت ہے کہ اس پر عمل کی ضرورت ہے کیونکہ سُنّت انبیاء عمل کے لئے ہوتی ہے بھرتی کے لئے نہیں ہوتی، اور عمل کے لئے فرض یا واجب یا تاکیدی سُنّت ہی ہونا ضروری نہیں ورنہ دین کے ہزارہا اعمال اور عادت وعبادت کے ہزاروں شعائر اور امتیازی نشانات کی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی۔ کیونکہ دین کے ہر شعبہ میں فرائض و واجبات سے بدرجہا زیادہ تعداد سنتوں اور مستحبات ہی کی ہے۔ فرائض و واجبات اپنے سنن و مستحبات کے پردوں میں اس طرح لپٹے ہوتے ہیں جیسے پھل کا مغز تہ بر تہ چھلکوں اور پردوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اگر یہ سب سنن و مستحبات غیر ضروری العمل ہوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دین کا دو تہائی سے زائد حصہ معاذ اللہ فضول، بیکار اور محض بھرتی یا نمائش کا ہے جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

بہرحال اگر اصطلاحی طور پر ڈاڑھی کے سنت ہونے کو دیکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کا رکھنا مستحسن بھی ہے جو حدیث من الفطرۃ کا مفاد ہے لازم العمل بھی ہے جو حدیث علیکم بسنتی کا مفاد ہے اخلاقی فرض بھی ہے جو حدیث من احب سنتی کا مفاد ہے اور اس سے گریز کرنا ذات پیغمبر سے انقطاع بھی ہے جو حدیث من

Marfat.com

رغب عن سنتی کا مفاد ہے کہ یہ سب معانی شرعاً سنت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اور اگر ڈاڑھی کے سنت مرسلین ہونے کو صرف سنت کی لفظی اور لغوی حیثیت سے دیکھا جائے جس کے معنی طریقہ اور روش کے ہیں تب بھی ڈاڑھی رکھنا ضروری ٹھہرتا ہے کہ روش انبیاء اختیار کرنے کے لئے اتاری گئی ہے چھوڑ دینے کے لئے نہیں پس سنت کے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے ڈاڑھی رکھنا ضروری العمل ثابت ہوجاتا ہے۔

سنت کی نوعی حیثیت سے ڈاڑھی کے ضروری ہونے کا ثبوت

پھر نہ صرف لفظ و معنی بلکہ سنت کی نوعی حیثیت بھی جس کے لئے وہ قانون شریعت میں وضع کی گئی ہے ڈاڑھی کی ضرورت کی ایک مستقل دلیل ہے۔ کیونکہ قواعد شرعیہ کی رو سے سنتیں فرائض و واجبات کی تکمیل کا وسیلہ ہیں کیونکہ سنتیں ان واجبات کے حدود و اطراف اور کنارے ہیں اور حدود کا جب تک تحفظ نہ کیا جائے محدودات اپنی حد کمال پر قائم نہیں رہ سکتے۔ جیسا کہ پھل کا مغز بغیر اپنے پردوں اور کناروں کی جھلیوں یا چھلکوں کے اپنے کمال شادابی و نشو ونما کو برقرار نہیں رکھ سکتا اسی طرح ڈاڑھی بھی اگر باقی ذخیرہ تو بہت سے شرعی واجبات جیسے اسلامی وقار، اسلامی ہیبت، اسلامی

Marfat.com

تہذیب، اسلامی جمال، مسلمانہ رُعب و ہیبت، مردانہ جمال مرد و عورت کے درمیان تمیز مردوں اور مخنثوں کے درمیان امتیاز اور چہروں کا اخروی نور وغیرہ جن کے برقرار رکھنے اور درجہ بدرجہ واجب کرنے اور ان کی تاکیدوں کے لئے مستقل اوامر و احکام شریعت میں وارد ہوئے ہیں) کا نظام مختل ہو جائے اور ان میں نقائص پیدا ہو جاویں جن کی روک تھام کے لئے حدیث مسلم کی یہ دس فطری خصلتیں رکھی گئی ہیں جن میں ڈاڑھی صفِ اوّل کی چیز ہے جیسا کہ اس کی متعلقہ دوسری روایات سے واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان واجبات کی تکمیل ضروری ہے اور بلا شبہ ضروری ہے تو ڈاڑھی جو ضروری کا مقدمہ اور واسطۂ تکمیل ہے وہ بھی ضروری ہوگا ورنہ اگر یہ ضروری العمل نہ ہو جس پر ضروری کی تکمیل موقوف ہے تو اصل واجب کی تکمیل بھی ضروری نہ رہے۔ حالانکہ یہ خلاف مفروض ہے اور اس کی ضرورت شرعاً تسلیم شدہ ہے اس لئے ڈاڑھی کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جو اس ضرورت کا مدار علیہ ہے۔ پس لفظ سنّت سے ڈاڑھی کے غیر ضروری العمل ہونے کا ثبوت تو کیا ملتا جو منکرین کا تخیل تھا اور الٹا اس کے ضروری بلکہ بہت سی ضروریات کی ضرورتوں کے سرچشمہ ہونے کا ثبوت نکل آیا۔

سنّت بقاء واجب کا ذریعہ ہے

اور آگے بڑھو تو سنّت تکمیل

واجب ہی کا نہیں بقاء واجب کا بھی ذریعہ ہے۔ اگر سنتیں باقی نہ رہیں تو واجبات بھی باقی نہیں رہ سکتے یہ دعوے فرضی یا اختراعی نہیں بلکہ شرعی ہے کہ حدیث نبوی کا ارشاد ہے تفسیر فتح العزیز میں روایت کیا گیا ہے کہ

ومن تہاون بالآداب	جس نے سستی کی آداب (مستحبات)
عوقب بحرمان السنۃ	میں اُسے سزا دیجائیگی سنت سے محرومی کی
ومن تہاون بالسنۃ عوقب	اور جس نے سنتوں میں سستی کی اسے سزا
بحرمان الواجبات	دیجائیگی واجبات سے محرومی
ومن تہاون بالواجبات	کی اور جس نے واجبات میں
عوقب بحرمان الفرائض	سستی کی اسے سزا دی
ومن تہاون بالفرائض	جائیگی فرائض سے محرومی کی اور
عوقب بحرمان المعرفۃ	جس نے فرائض میں سستی کی اسے سزا دیجائیگی
(او کما قال)	معرفت الٰہی سے محرومی کی۔

پس داڑھی کی سنت جہاں مذکورہ صدر واجبات کی تکمیل کا ذریعہ ثابت ہوئی تھی۔ وہیں اس حدیث سے ان کے بقاء و قیام کا وسیلہ بھی ثابت ہوگئی اور جو چیز بقاء فرض و واجب کا وسیلہ ہو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ غیر ضروری العمل ہوسکتی ہے۔ وہ عقیدۃً مرتبہ میں فرض سے کم ہو لیکن

Marfat.com

عملاً اتنی ہی ضروری العمل ہے جتنا کہ فرض ضروری العمل ہے کیونکہ فرض کا عمل اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جو ضروری ہے اور ضروری کا مقدمہ خود ضروری ہوتا ہے نہ کہ غیر ضروری۔

سُنّت تکمیل واجب کا بھی وسیلہ ہے

نہیں بلکہ اور آگے بڑھا جائے تو سنّت بقاء واجب ہی کا نہیں بلکہ حصول واجب کا بھی ذریعہ ہے یعنی بغیر سنتوں کی پابندی کے فرائض کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سنتیں فرائض کی حدود اور اطراف ہیں۔ اور کنارے جب تک نہ ہوں اصل شے وجود پذیر نہیں ہو سکتی حرام باتوں کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔

الا وان لکل ملک حمًی
الا وان حمی اللہ محارمہ
فمن راتع حول الحمی
یوشک ان یواقعہ۔

(خبردار رہو کہ بادشاہ کی ایک چراگاہ اور مخصوص جگہ ہوتی ہے اللہ کی یہ جائے ممنوعہ اسکے محرمات ہیں جن کے کرنے سے لوگوں کو روکا گیا ہے) تو جو شخص بھی اس جائے ممنوعہ کے اردگرد چراگاہ یا شکار کھیلے گا وہ ایک نہ ایک دن شاہی چراگاہ میں بھی گھس جائے گا اور مجرم بنے گا جو مستحق سزا ہو گا) اس سے واضح ہے کہ اصل شے سے بچنے کے لئے اس کے کناروں سے بھی بچنا ضروری ہے ورنہ

Marfat.com

اصل سے بچاؤ ممکن نہیں ہے جو ڈول سے نہیں بچتا وہ کھیت میں گھسنے سے نہیں بچ سکیگا۔ کیا اس کا مفہوم یہ نہیں نکلتا کہ اصل کو قائم کرنے کے لئے پہلے اس کے کناروں کو قائم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جب کوئی اصل بلا انہی اطراف وجوانب کے باقی نہیں رہ سکتی تو بلا ان کے وجود میں لائے موجود بھی نہیں ہو سکتی پس ڈاڑھی کی سنّت جن واجبات کے حصول کا ذریعہ ہے وہ بغیر ڈاڑھی رکھے حاصل ہو ہی نہیں سکتے اور ان کا حاصل کیا جانا ضروری ہے تو اس موقوف علیہ کا حاصل کیا جانا ان سے بھی پہلے ضروری ہوگا۔ اس لئے جہاں سنّت واجبات کے لئے وسیلۂ تکمیل ثابت ہوئی تھی پھر وسیلۂ بقاء ثابت ہوئی تھی وہیں اس حدیث سے وسیلۂ حصول بھی ثابت ہوئی جس سے اس کا ضروری العمل ہونا کافی نمایاں ہو جاتا ہے اور لفظ سنّت سے جو غیر ضروری العمل ہونے کا غلط تخیل قلوب میں قائم ہوتا تھا وہ اسی لفظ کے مفہوم سے ہی کافور ہو گیا جس کا منشاء غلط یہ ہے کہ لوگ سنّت کو واجب و فرض کا مقابل سمجھتے ہیں اور واجب و فرض ضروری العمل ہیں تو اس تقابل سے اس سے غیر ضروری العمل یاد رکھ لیا جاتا ہے حالانکہ سنّت حسب قواعد شرعیہ اور حسب روایت مذکورہ واجبات کا مقابل نہیں بلکہ وسیلۂ تکمیل وسیلۂ بقاء اور وسیلۂ تحصیل ہے کہ اس کے بغیر واجبات و فرائض نہ وجود پذیر ہو سکتے ہیں نہ برقرار رہ سکتے ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ

Marfat.com

واجبات کی تحصیل وتکمیل اور بقاء کا مقدمہ اور اوپر سے [illegible] تتمہ غیر ضروری العمل ہو سکتا ہے؟ ادھر خود لفظ سنت اپنے معنی کے لحاظ سے پہلے ہی ضروری العمل ثابت ہو چکا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ سنت بذاتِ خود اور بہ نسبت غیر یعنی ذاتاً اور اضافۃً ہر لحاظ سے ضروری العمل ہے۔ اس لئے ڈاڑھی سنت پیغمبر بنکر کتنی ہی جہتوں سے ضروری العمل ثابت ہوئی۔

ڈاڑھی پر اجماعِ انبیاءؑ

پھر اس سنت کی لفظ کو حدیث مذکور میں کسی ایک رسول یا ایک ہی نبی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ سنت المرسلین (سارے رسولوں کی سنت) کہکر تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے ڈاڑھی رکھنے کا مسئلہ اجماعِ انبیاء سے ثابت شدہ مسئلہ نکلتا ہے۔

ڈاڑھی اور تعاملِ انبیاءؑ

پھر کسی ایک پیغمبر سے بھی داڑھی منڈانا یا پست کرانا ثابت نہیں ورنہ اس سنت کے عمل سے کوئی ایک نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے اسلئے ڈاڑھی رکھنے کا عمل تعامل انبیاءؑ سے بھی ثابت شدہ ہو جاتا ہے جو اس کے لازم العمل ہونے کی دلیل ہے۔

ڈاڑھی تمام ادیان وشرائع میں ضروری ہے

دوسرے لفظوں میں اسی اجماعت کو سامنے رکھکر یوں بھی ادا کیا کیا جا سکتا ہے کہ ڈاڑھی کا طریقہ کسی ایک ہی دین اور شریعت کا مسئلہ نہیں بلکہ کل شرائع ومذاہب کا اجماعی طریقہ ہے۔

Marfat.com

داڑھی تمام اقوام و ملل کا متفقہ مسئلہ ہے اور چونکہ دنیا کی ہر قوم و ملت کسی نہ کسی مذہب ہی سے تعلق رکھتی ہے یا فتنہ ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام اقوام و ملل کا مسئلہ ہے جس پر قوموں کا اجماع ہے پس جہاں لفظ فطرۃ سے طبعی رنگ میں یہ مسئلہ اجماع اقوام و ملل کا اجماعی مسئلہ نکلتا تھا وہیں اس اجماع شرائع سے یہ مسئلہ شرعی رنگ میں بھی شرائع کا اجماعی مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے پس داڑھی چھوڑنے کے بارے میں اگر ایک امت کا اجماع کسی مسئلہ کے ثبوت کیلئے شرعی حجت ہو سکتا ہے تو تمام اولین و آخرین کا اجماع اور پھر استثناء سارے انبیاء و رسل اور سارے اولیاء و علماء کا اجماع آخر کس طرح حجت نہیں بنے گا؟ در ایں صورت اس مسئلہ کی شرعیت سے انکار کرنا گویا تمام شرائع اور تمام انبیاء کے ایک متفقہ شرعی قانون کا انکار اور ان کی کھلی تکذیب ہے اور اگر ایک امت کے اجماعی مسئلہ کا انکار فسق ہے تو اقوام عالم اور اولین و آخرین کے اس کھلے اجماعی مسئلہ کا انکار فسق کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہوگا؟

بہرحال لفظ فطرۃ، لفظ سنت پھر لفظ مرسلین سے داڑھی رکھنے کی فطری ضرورت ہی نہیں بلکہ اس کی شرعیت بھی ثابت ہو جاتی ہے جو اس مسئلہ کی شرعیت کیلئے ایک واضح دلیل اور حجت ہے جس کا انکار کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

داڑھی کے وجوب کا استنباط پھر نہ صرف ضرورۃً بلکہ عزیمت کیلئے جاجت ... تو اسی سے داڑھی رکھنے کا وجوب

بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت بلا ترک فرمائی ہے یعنی ہمیشگی کی ساتھ داڑھی رکھنے کے عمل کو جاری رکھا ہے کبھی تخلف نہیں ہوا جو اصولاً وجوب کی علامت ہے اگر مواظبت مع الترک ہو یعنی کبھی کبھی آپ نے اس عمل کو ترک بھی فرما دیا ہو تو وہ عمل سنّت کہلاتا ہے لیکن داڑھی رکھنا کبھی ایک ساعت کیلئے بھی حضور نے ترک نہیں فرمایا اس لئے اس مواظبت بلا ترک سے ہم داڑھی رکھنے وجوب پر بھی استدلال کر سکتے ہیں۔

داڑھی کا وجوب
صیغۂ امر سے

لیکن اگر داڑھی کے وجوب کے لئے اصطلاحی اور صریح بھی دلیل ہی درکار ہے تو اس کے لئے ایک نہیں متعدد شرعی اوامر احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں خصوصی طور پر داڑھی رکھنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں داڑھی بڑھانے کے لئے امر صریح کے پانچ صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اِعفاء۔ اِیفاء۔ اِرخاء۔ اِرجاء۔ توفیر۔ اور پانچوں کے معنی محض داڑھی رکھنے کے نہیں بلکہ داڑھی بڑھانے اور اسے علی حالہ بڑھنے دینے کے ہیں تو یا جہاں تک قولی احادیث کا تعلق ہے۔ ان میں داڑھی بڑھنے کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی ہے بلکہ داڑھی

Marfat.com

کو علی حالہ چھوڑے رکھنے کا امر مطلق ہے۔ چنانچہ۔ اِعْفُوْا۔ اَوْفُوْا اَرْخُوْا۔ اور وَفِّرُوْا۔ بلا قید کے علی الاطلاق مروی ہیں اور ان پانچوں صیغوں کے معنی ڈاڑھی چھوڑنے یعنی اُسے علی حالہ بڑھنے دینے کے ہیں جن میں کسی قسم کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی گئی۔

اور سب جانتے ہیں کہ امر کا مفاد وجوب ہے۔ یعنی امر کا صیغہ حقیقۃً وضع ہی کیا گیا ہے وجوب اور ایجاب کے لئے اس ایجاب میں خفّت یا ہلکا پن جیسے استحباب یا ندب کہتے ہیں صیغۂ امر سے نہیں نکلتا بلکہ خارجی قرائن سے پیدا ہو سکتا ہے اگر یہ خارجی قرائن موجود نہ ہوں تو امر اپنی حقیقت پر رہے گا اور اس کے معنی ایجا والزام کے ہوں گے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ کام تمکو کرنا ہی ہے تم پر واجب ہے۔ اور تم کسی حالت میں اس سے گریز کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس لئے ڈاڑھی رکھنا ان اوامر سے اصطلاحاً بھی واجب صریح نکلا جس سے کسی حالت میں بھی گریز وانحراف جائز نہ رہا جو اس مسئلہ کے شرعی ہونے ہی کی نہیں بلکہ واجب شرعی ہونے کی واضح دلیل ہے اور جبکہ اسی کے ساتھ عالم کے سارے پیغمبروں کا اجماع اور تسنّن (راہ سنّت پکڑ لینا) بھی ملا لیا جائے تو یہ واجب اور بھی زیادہ موکد ہو جاتا ہے جس سے گریز گویا سارے انبیاء کے اجماع سے گریز ہے۔

ڈاڑھی کا وجوب لفظ امر سے

پھر یہی نہیں کہ ڈاڑھی کے وجوب کے لئے صرف امر کے صیغے ہی وارد ہوئے ہوں جن سے ڈاڑھی کے وجوب کا حکم اصطلاحی طور پر نکال لیا جائے بلکہ خود لفظ امر سے بھی اس فعل کو مامور بہ قرار دیا گیا ہے جس سے صیغۂ امر کو استحباب یا ندب پر محمول کر لینے کا احتمال بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صیغہ امر کی ہئیت کذائی جیسے۔ اعفوا اللحی (ڈاڑھی بڑھاؤ) سے جو حکم نکلتا تھا اسے امر استحبابی کہکر وجوب سے گرا دینے کی تاویل کا احتمال رہتا تھا لیکن جبکہ اس صیغہ کے ساتھ لفظ امر بھی ذکر کر دیا گیا تو صیغہ کے وجوبی معنی بلا احتمال غیر متعین ہو گئے اسے یوں سمجھئے، جیسے ہم امر کریں کہ پانی پلاؤ یہ حکم صیغہ امر کے ساتھ ہے اس میں احتمال ہے کہ مخاطب اپنی کام چوری یا سہل انگاری یا کسی فنی اصطلاح کی آڑ لیکر یہ حیلہ کر دے کہ یہ "پلاؤ" کا صیغہ محض ایک اخلاقی امر ہے ایجابی نہیں جس کی تعمیل واجب ہو۔ اگر کر لی جائے تو آمر کی خوشنودی کا باعث ہو گی نہ کی جائے تو باعث ملال نہ ہو گی لیکن اگر ہم اسی کے ساتھ یوں بھی کہیں کہ ہم تمہیں پانی پلانے کا حکم کرتے ہیں یعنی صیغہ امر ہی نہیں لفظ امر

Marfat.com

کبھی استعمال کریں تو اس کے بعد تعمیل کرنے نہ کرنے کی برابری کا احتمال باقی نہیں رہتا بلکہ متعین ہو جاتا ہے کہ پانی پلانا ہی ضروری ہے نہ پلانے کا اختیار کسی درجہ میں بھی مخاطب کو نہیں ٹھیک اسی طرح ڈاڑھی کے بارے میں جب اِعْفُوا اللُّحٰی وغیرہ کے صیغہ امر کیا گیا کہ "ڈاڑھی بڑھاؤ" تو اس میں غلط یا صحیح یہ احتمال تھا کہ اس امر کو محض اخلاقی حکم سمجھ کر تعمیل کرنے نہ کرنے میں اپنے کو مختار سمجھ لیا جائے لیکن جبکہ اسی کے ساتھ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم لفظِ امر کے ساتھ بھی وارد ہوا کہ ۔

عن عبد الله بن عمرؓ	ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
عن النبی صلی الله علیه	سے روایت فرماتے ہیں کہ
وسلم انّہٗ اَمرَ	آپ نے مونچھیں پست کرنے
باحفاءِ الشوارب	اور ڈاڑھیاں بڑھانے کا
واعفاءِ اللّحیۃ ۔	حکم دیا ہے ۔

تو اس کے معنی وہی ہوئے کہ ہم تمہیں ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیتے ہیں" ظاہر ہے کہ اس کے بعد "ڈاڑھی بڑھاؤ" کے صیغہ میں جو احتمال استحباب یا تعمیل وعدم تعمیل میں مخاطب کے اختیار کا پیدا کیا جا سکتا تھا وہ کلیۃً قطع ہو گیا اور ڈاڑھی

Marfat.com

بڑھانے کا امر غیر مشتبہ طور پر وجوب کے لئے متعین ہو گیا جس سے ڈاڑھی کا بڑھانا ایک مضبوط قسم کا شرعی واجب ثابت ہو جاتا ہے۔

منفی پہلو یعنی ڈاڑھی رکھنے کی ہدایت اصولی رنگ میں

ڈاڑھی بڑھانے کے لیے شرعی ثبوت کے پہلو واضح ہو گئے جن کے ہوتے ہوئے ڈاڑھی کے وجوب کے بارہ میں شبہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی یہ سوال ممکن تھا کہ ان احادیث سے ڈاڑھی رکھنے کا ایجابی ثبوت تو ضرور ہو جاتا ہے مگر ڈاڑھی پست کرانے کی ممانعت حرمت ثابت نہیں ہوتی اور جب تک کہ کسی شے کے منفی پہلو کو سامنے نہ لایا جائے اس کا مثبت پہلو بھی مستحکم نہیں ہوتا تو اس سلسلہ میں اول تو ممانعت کے ثبوت کے لئے یہ اصولی دلیل کافی ہے کہ اَلْاَمْرُ بِالشَّیْءِ یَقْتَضِی النَّهْیَ عَنْ ضِدِّهٖ (کسی چیز کا امر کیا جانا اس کی ضد کی ممانعت کو مقتضی ہوتا ہے) یعنی جب کسی شے کے واجب ہونے کا

حکم دیا جائے تو یہ خود ہی اس کی ضد کے ممنوع ہونے کی واضح دلیل ہے۔ ورنہ اگر شے کے واجب اور ضروری العمل ہونے کے بعد اس کی ضد پر بھی عمل جائز ہو تو یا وہ واجب العمل نہیں رہتی جو مفروضہ کے خلاف ہے یا رہتی ہے تو اجتماع ضدین ہو جاتا ہے کہ وہ واجب العمل بھی ہو اور اپنی ضد کے جائز العمل ہونے کی وجہ سے واجب العمل نہ بھی ہو اور ظاہر ہے کہ ضروری العمل ہونا اور اسی وقت ضروری العمل نہ بھی ہونا یہی اجتماع ضدین ہے جو بلا شبہ محال اور سارے محالات کی جڑ ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جب اصل پر عمل واجب ہو گا تو اس کی ضد پر عمل یقیناً ممنوع اور حرام بھی ہو گا۔

ثابت یہ ہوا کہ جب ڈاڑھی رکھنا بنصِ حدیث واجب ٹھہرا تو نہ رکھنا اسی حدیث سے حرام و ناجائز بھی ثابت ہوا۔ ورنہ اگر رکھنے کے وجوب کے ساتھ نہ رکھنے کا جواز بھی جمع کر دیا جائے تو یا وہ وجوب باقی نہ رہے گا جو مسلمہ تھا اور یا باقی رہیگا تو اجتماع ضدین پیدا ہو جائے گا کہ ایک شے واجب بھی ہو اور نہ بھی ہو جو بلا شبہ محال ہے۔ بہر حال اس تقریر کی رُو سے ڈاڑھی پست کرنے کی ممانعت و حرمت اسی حدیث سے ثابت ہو جاتی ہے جس سے ڈاڑھی

Marfat.com

رکھنے کی ضرورت ثابت ہوئی تھی۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ ڈاڑھی
رکھنے کا وجوب تو دلیل مطابقی سے ثابت ہوتا ہے اور نہ رکھنے کی
ممانعت دلیل التزامی سے جس سے نفسِ ثبوت کی نوعیت میں کوئی
فرق نہیں پڑتا۔

ڈاڑھی نہ رکھنے کی ممانعت صریح الفاظ میں

لیکن اگر اس اصولی ثبوت پر قناعت نہ کرتے ہوئے اس کی دلیل کی ضرورت
سمجھی جائے جس میں ڈاڑھی پست کرانے کو صراحۃً ممنوع و ناجائز
قرار دیا گیا ہو تو شریعت میں یہ پہلو بھی تشنہ نہیں ہے یعنی جس
طرح ڈاڑھی رکھنے کے وجوب کے لئے اصولی اور جزئی دونوں قسم
کے دلائل موجود ہیں ایسے ہی اس کے نہ رکھنے کی ممانعت اور
حرمت کے بارے میں بھی اصولی اور جزئی دونوں قسم کے ثبوت
ذخیرۂ دلائل میں موجود ہیں۔ چنانچہ جس طرح ڈاڑھی رکھنے کے
بارے میں اوّلاً اسے قواعد کلیہ سے واجب ثابت کیا گیا تاکہ اس کی
ضرورت واضح ہو جائے پھر اسے سنّتِ انبیاء بتلایا گیا تاکہ اس
نسبت پاک سے ہی مخاطب کے دل میں اس کی رغبت بیٹھ جائے
اور پھر ڈاڑھی رکھنے کا صریح حکم دیا گیا تاکہ انبیاء کی متابعت اور

Marfat.com

ان کی ساتھ مشابہت کی دولت میسر آجائے بالکل اسی طرح ڈاڑھی پست کرنے کو خواہ وہ منڈا کر ہو کتر اکر اولاً قواعد کلیہ سے ممنوع ثابت کیا گیا جیسا کہ ابھی واضح ہوا پھر سنت کفار فرمایا گیا تاکہ اولاً اس نسبت ہی سے مخاطب کے ذہن میں اس فعل کی نفرت بیٹھ جائے اور پھر مخالفت کا صریح حکم دیا گیا ہے تاکہ اس منڈانے اور پست کرانے کی صریح مخالفت بھی ہو جائے ۔ چنانچہ ڈاڑھی کے منفی پہلو کے بارہ میں اولاً جو حکم ملاحظہ فرمایئے جس میں ڈاڑھی نہ رکھنے کو سنت کفار بتلا کر اس سے نفرت دلائی گئی ہے ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ۔

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحی (مسلم)	مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں پست کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ۔

جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس (مسلم)	مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھیاں بھی چھوڑ دو ۔

مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے جیسا کہ آج بھی منڈاتے ہیں اور مجوس ڈاڑھیاں کتراتے تھے اس حدیث میں دونوں کی

Marfat.com

مخالفت کا حکم دے کر واضح کیا گیا ہے کہ یہ دونوں سنتیں کفار کی ہیں پھر اس سنت ہیں جب کہ ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ نہ ڈاڑھی منڈاؤ نہ کترواؤ تاکہ مشابہت کفار سے بچ کر مشابہت انبیاء سے سرفراز ہو جاؤ۔ اور یہی صریح حکم مخالفت ہے ڈاڑھی کے پست کرانے سے پس اس روایت میں ڈاڑھی کے منفی اور مثبت پہلو دونوں آ گئے۔ فرق یہ ہے کہ منفی پہلو عبارت میں صراحتہً موجود ہے اور مثبت پہلو دلالت کے پردہ میں چھپا ہوا ہے مگر اس سے نفس ثبوت میں فرق نہیں پڑتا۔

بہرحال اس حدیث سے عمومی طور پر نہیں بلکہ خصوصی طور پر صاف و صریح الفاظ میں ڈاڑھی پست کرانے کی ممانعت واضح ہو گئی جو مطلوب تھی حاصل یہ نکلا کہ جس طرح ڈاڑھی رکھنا فی نفسہ بھی مستحسن اور ضروری تھا کہ مرد کا وقار اور جمال اس میں مضمر تھا اور جیسا کہ وہ بوجہ تشبہ بالانبیاء بھی مستحسن تھا کہ سنت انبیاء تھا۔ ایسے ہی ڈاڑھی نہ رکھنا فی نفسہ بھی ممنوع ثابت ہوا کہ خلاف وقار و جمال ہے کہ روایات خمسہ کا مفاد تھا اور بوجہ تشبہ بالکفار بھی ممنوع ثابت ہوا کہ یہ ایک مستقل دینی ضرر ہے جیسا کہ عبداللہ ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی مذکورہ دو روایتوں کا مفاد ہے۔ اور اس طرح اعمی اًلا اور نفیاً ڈاڑھی کے منفی پہلو یعنی نہ رکھنے

کے ممانعت پر دوہری روشنی پڑ گئی۔

داڑھی بڑھانا طاعت اور منڈانا معصیت ہے

ظاہر ہے کہ جب حکم واجب کی تعمیل پر اجر و ثواب ملتا ہے تو اس کی خلاف ورزی پر زجر و عقاب بھی ہونا ضروری ہے ورنہ جیسے واجب کے خلاف کیے جانے کے جائز ہونے کی صورت میں واجب واجب نہیں رہتا تھا ایسے ہی واجب پر اجر لازمی ملنے کی صورت میں خلاف پر زجر اور وزر (گناہ) نہ ہونے سے وہ اجر اجر لازم نہیں رہے گا صرف اجر تبرع ہو جائے گا جس کا نہ ملنا ضروری تھا نہ ملنا ضروری اور اس میں گفتگو نہیں۔ گفتگو صرف اجر لازم میں ہے جو واجب ہی پر ہو سکتا ہے اندریں صورت جب کہ داڑھی رکھنا سنت انبیاء ہونے کی وجہ سے مامور بہ اور حکم واجب ہے تو اس اصول کے اس میں ثواب ملنا بھی حسب قواعد شرعیہ لازمی اور ضروری ہے کہ اطاعت امر پائی گئی اور اس کا قدرتی اور شرعی تقاضا یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی یعنی داڑھی پست کرانے پر جو سنت کفار و فجار ہے خواہ منڈا کر ہو جو مشرکین کا فعل ہے یا خشخشی کرا کر ہو جو مجوس کا فعل ہے عقاب و عذاب ہونا بھی ضروری ہے کہ مخالفت حکم پائی گئی۔ ورنہ اگر داڑھی پست کرنے پر عذاب نہ ہو تو داڑھی

Marfat.com

بڑھانے پر ثواب کے لازم ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنے پر ثواب ہونا ضروری ہے ورنہ امر کے وجوب کا مفاد اور مامور بہ کے بجا لانیکا اثر ہی کالعدم ہو جائے گویا شے کی خاصیت ہی باطل ہو جائے جو خود باطل ہے جبکہ شارع علیہ السلام کی جانب سے اس اثر اور خاصیت کو ثابت مانا گیا ہے چنانچہ دنیا میں ڈاڑھی کو وقار فرمایا اور آخرۃ میں پل صراط پر ڈاڑھی کے نور ہونے کی خبر دینا اس کی دو اہم خاصیتوں کی اطلاع دینا ہے ان خواص و آثار کو قبول کر لینا ہی اجر اور منافع آخرت کو کھول رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ڈاڑھی پست کرانے پر عقاب و عذاب نہ ہو ورنہ ارتکاب ممنوع کا اثر اور ممنوعات شرعیہ میں پھنسنے کے فعل کی قدرتی خاصیت ہی باطل ہو جائیگی درحالیکہ شارع علیہ السلام نے احادیث مذکورہ میں اس خاصیت کو بھی کھولا اور ثابت مانا ہے۔ چنانچہ ڈاڑھی پست کرنے کو مشرکین و مجوس کا فعل بتلا کر اس کی خاصیت پر ارشاد فرمائی ہے کہ اس تشبہ کا برتنے والا اور کفار کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے والا انہی میں سے ہو جائے گا اور بالآخر انہی کے انجام میں شریک بن جانے کا مستحق ہو جائے گا ظاہر ہے کہ یہ دھمکی فساد و عذاب ہی سے ڈرانے کے لئے ہو سکتی ہے خواہ وہ دنیا میں دیا جائے کہ تشبہ کی وجہ سے اسے کفار ہی کا ایک فرد سمجھا جانے لگے

Marfat.com

اور مسلمانوں کی دعا، حقوق و معاملات کی شرکت اور آخر کار میراث نماز جنازہ اور مقابر مسلمین سے محروم ہو جائے یا آخرت میں سر ڈالا جائے کہ فتنۂ قبر و حشر اور فتنۂ جہنم کی سزائیں اسے بھگتنی جائیں چنانچہ اس وبال و نکال کو اس کے جامع عنوان سے اس حدیث میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

من تشبہ بقوم فھو منھم جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی (جس سے وہ اسی قوم کا فرد دکھائی دینے لگے تو انجام کار وہ اسی قوم میں سے ہو جائے گا (یعنی دنیا و آخرت میں جو معاملہ اس قوم کے ساتھ ہوگا اسی نوعیت کا اس کے ساتھ ہوگا پھر اس مقصد کو حدیث ذیل میں دوسرے عنوان سے یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ

من کثر سواد قوم فھو منھم جس نے کسی قوم کی جماعتی حیثیت بڑھائی (یعنی ان کی وضع قطع میں رل مل کر اور ان میں شمار ہو کر انہی کی بھیڑ میں اضافہ کا سبب بن گیا) تو وہ آخر کار انہی میں سے ہو جائے گا کیونکہ انہی کی جانب اسے مرغوب ہو گئی۔ چنانچہ انہی میں سے ہو جانے کی اس بنیادی علت (ان کی طرف رغبت و میلان) کو قرآن حکیم نے اپنے معجزانہ بیان میں اس طرح ظاہر فرمایا کہ

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ ظالموں کی

ف میلان اور رجحان کاؤ مت اختیار کرو (کہ ان کے طور طریق اور ان کی سنتوں یا ہیئتوں کو اپنانے لگو) کہیں تمہیں آگ نہ چھووے (یعنی مبتلا عذاب نہ ہو جاؤ) اس سے ڈاڑھی پست کرنے کا (جو سنت کفار اور ہیئت مبطلین ہے جیسا کہ پچھلی حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے) برا انجام واضح ہوتا ہے جسے بجز عذاب و عقاب کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟

اور ظاہر ہے کہ جب واجب کا امتثال طاعت کہلائے گا جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے تو ممنوع کا ارتکاب یقیناً معصیت کہلائے گا جس پر عذاب مرتب ہوتا ہے ورنہ اس ترتب کے باوجود اگر یہ طاعت و معصیت نہ ہوں تو ان پر سزا و جزا کا مرتب ہونا ہی بے معنی ہو کر رہ جائے اور ترتب ثابت ہو گیا تو ڈاڑھی رکھنا طاعت اور نہ رکھنا معصیت بھی ثابت ہو گیا۔ بہر حال ڈاڑھی رکھنے کا امر اور اس پر ثواب کا وعدہ اگر اس کے طاعت ہونے کی دلیل ہے تو ڈاڑھی پست کرنے کی ممانعت اور اس پر وبال دنیا و آخرت کی دھمکی بلاشبہ اس کے معصیت ہونے کی بھی دلیل ہے۔

ڈاڑھی نہ رکھنے میں معصیت کے دو پہلو

بلکہ جس طرح ڈاڑھی رکھنے کا فعل علاوہ امتثالِ امر کے متابعت

Marfat.com

انبیاء کی وجہ سے حقیقتاً دوہری نیکی اور ڈبل طاعت ہے اسی طرح ڈاڑھی پست کرنے کا فعل علاوہ خلاف ورزیٔ امر کے مشابہت کفار کی وجہ سے دوہری بدی اور ڈبل معصیت ثابت ہوتا ہے پس ڈاڑھی پست کرانے میں عصیان کے دو پہلو نکل آئے ایک اصل واجب کا ترک اور دوسرے تشبہ حرام کا ارتکاب ۔ اس لئے اگر ڈاڑھی بڑھانے کے لئے اس کی خلاف ورزی کے معصیت ہونے کا ثبوت بھی ضروری ہے تو وجوہ بالا اس کے لئے کافی ہیں جن سے ان کا ڈبل گناہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

ڈاڑھی نہ رکھنا عورتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے

بلکہ نظر کو ذرا اور وسیع کیا جائے تو اس فعل (ڈاڑھی پست کرنے) میں جیسے مشابہت کفار کی راہ سے گناہ ہونے کی ایک خاص شان داخل ہوتی تھی کہ اس سے ایک مسلم کی اسلامی ہیئت کفار کی ہیئت میں مدغم ہو کر فنا ہو جاتی تھی جو خسارۂ دنیا و آخرت ہے اسی طرح اس فعل میں ایک دوسری مشابہت کی راہ سے بھی ایک اور معصیت ہونے کی شان داخل ہوتی ہے اور وہ مشابہت ہے عورتوں کے ساتھ جس سے مرد کا چہرہ عورتوں کے چہرہ سے مشابہ ہو کر اس کی مردانہ ہیئت کو عورت کی زنانہ ہیئت میں

مدغم کر کے مرد کا ظاہری مردانہ وجود ختم کر دیتا ہے۔ پس اگر کفار کی ظاہری مشابہت اُس پر "فھو منھم" (وہ بلحاظ آثار و نتائج انہی کفار میں سے ہو گیا) کا وبال مُسلط کرتی تھی جو دنیا و آخرت دونوں میں اس پر پڑنا تھا۔ تو عورتوں کی یہ ظاہری مشابہت اُس پر "فھو منھن" (وہ بلحاظ آثار و خصوصیات انہی عورتوں میں سے ہو گیا) کا وبال مسلط کر دے گی جو دارین میں ان پر پڑے گا۔ پس اگر وہ تشبہ اس وجہ سے گناہ تھا کہ اس سے دو گروہوں کا خصوصیاتی فرق مٹ کر حدودِ الٰہی کی تخریب ہو جاتی تھی تو یہ تشبہ بھی اسی لئے گناہ ہو گا کہ اس سے دو صنفوں کا خصوصیاتی فرق مٹ کر حدود خداوندی کی تخریب ہوتی ہے۔ اس لئے شریعت نے اس تشبہ کو بھی خواہ مرد عورت سے کرے یا عورت مرد سے لعنت قرار دیا ہے کہ یہ خدا کی بنائی ہوئی حدود کو مٹاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

لعن اللّٰہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال	اللہ نے لعنت بھیجی ہے عورتوں سے تشبہ کرنے والے مردوں پر اور مردوں سے تشبہ کرنے والی عورتوں پر۔

اور اس کے بالمقابل ان حدود کو برقرار رکھنے والے مردوں اور مردوں کے اس فطری فعل کو منقبت با در کرایا گیا ہے یعنی ملائکہ علیہم السلام کی ایک لاتعداد جماعت کی تسبیح ہی یہ حدیث نبوی

Marfat.com

ہیں یہ بتلائی گئی ہے کہ

سُبحان من زیّن الرّجال باللحی وزین النساء بالقرون والذّوائب۔	پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھیوں سے زینت دی اور عورتوں کو مینڈھیوں اور چوٹیوں سے زینت بخشی۔

ظاہر ہے کہ ملائکہ علیہم السلام کا مردوں کی زینت ڈاڑھیوں کو بگاڑ اور عورتوں کی زینت مینڈھی چوٹی کو بگاڑنا اور بگاڑنے نہ دینا حقیقت اس منشاء خداوندی کی ہمہ وقت تسبیح ہے کہ مرد اپنی ڈاڑھیوں کی سطوت حفاظت کریں اور عورتیں اپنی مینڈھی چوٹی برقرار رکھیں عورتیں اگر چوٹیاں کٹوا ڈالیں گی تو ایک چوٹی ہی نہیں ان کی ناک چوٹی دونوں کٹ جائیں گی اور مرد اگر ڈاڑھی پست کرانے لگیں گے تو ان کی مردانہ زینت ہی نہیں مردانہ وقار بھی ختم ہو جائے گا۔

ڈاڑھی کا جدا کرنا قابل تاوان جرم ہے

اس حدیث سے جس میں ڈاڑھی کو مرد کیلئے جمال بتلایا گیا ہے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی کی ڈاڑھی زبردستی مونڈ دی جائے اور اس کے دوبارہ اُگنے کی کوئی توقع نہ ہے جیسے کسی بال صفا پوڈر سے یا سر منڈے کے استرہ سے صاف کر دی جائے تو مونڈنے والے پر دیت لازم ہوگی کیونکہ اس نے ایک شخص کا جمال

Marfat.com

ضائع کر دیا اور ایک ایسی چیز کو ضائع کر دیا جو قابل علیحدگی نہ تھی جیسے
کسی کا ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالنے پر دیت آتی ہے کہ جمال بھی ضائع ہوتا ہے
اور ایک ایسی چیز جدا کر دی جاتی ہے جو جدا کر دینے کے لئے نہیں
دی گئی تھی ورنہ اگر داڑھی جمال نہ ہوتی یا قابل علیحدگی ہوتی تو اس کے
علیحدہ کر دینے پر دیت آنے کے کوئی معنی نہ تھے گویا جس طرح
داڑھی کا خود جدا کرنا ایک جرم اور قابل تعزیر بات ہے ایسے ہی
دوسرے کا اکراہ واجبار کے ساتھ اسے جدا کر دینا بھی جرم ہے
جس پہ تاوان لیا جاتا ہے۔

داڑھی رکھنے کے وجوب کی ایک دوسری دلیل

پھر تشبہ کی علت کی بناء پر یہاں داڑھیاں پست کرنا حرام ثابت
ہوتا ہے وہیں اس روایت سے داڑھی بڑھانا واجب بھی ثابت
ہو جاتا ہے کیونکہ النھی عن الشئ یقتضی الوجوب لضدہ ۔
(کسی شئے کی حرمت اس کی ضد کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔) پس
وہاں احادیث خمسہ میں تو داڑھی بڑھانے کا وجوب دلالت مطابقی
سے اور داڑھی پست کرنے کی حرمت دلالت التزامی سے ثابت ہوتی
تھی اور یہاں اس کے برعکس داڑھی پست کرانے کی حرمت دلالت

Marfat.com

مطابقی سے اور بڑھانے کا وجوب دلالت التزامی سے نکل رہا ہے غرض احادیث امر اور احادیث نہی۔ دونوں سے ڈاڑھی کی بابت ہیں دونوں قسم کے مثبت اور منفی حکم ثابت ہو جاتے ہیں اور جیسے ڈاڑھی بڑھانا ایک خصوصی نص سے واجب ثابت ہوتا ہے جو اس کے طاعت ہونے کی کھلی دلیل ہے وہیں ڈاڑھی پست کرنا بھی ایک مستقل اور خصوصی نص سے حرام ثابت ہوتا ہے جو اس کی معصیت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس لئے ڈاڑھی کے بارے میں مثبت اور منفی حکم علیحدہ علیحدہ ثابت ہو گئے۔

ڈاڑھی اور تغییر خلق اللہ

ڈاڑھی پست کرانا تغییر خلق اللہ میں داخل ہے	پھر قطع نظر تشبہ کے یہ ڈاڑھی پست کرانے کا فعل تغییر خلق اللہ اور خدا کے

دئے ہوئے حسن و جمال کی تخریب بھی ہے جس نے مردوں کو مردانہ حسن اور عورتوں کو زنانہ حسن دے کر لطور منت یہی فرمایا ہے کہ

Marfat.com

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس نے تمہیں (ہر ایک کے مناسب حال) صورت دی اور تمہاری صورتوں کو حسین تر بنایا ہے

∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴

اس حسنِ وجمال میں بلا مرضیٔ موجد بدا خلقت اور اسکو بگاڑنا ظاہر ہے کہ کوئی منقبت نہیں معصیت ہی ہو سکتا ہے جسے شیطانی حرکت کہا جائے گا چنانچہ عورتوں کی ایسی تغییر کا ذکر کر کے قرآن حکیم نے اسے شیطانی ولایت کی کارگذاری سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا۔

اور یقیناً میں حکم کروں گا انہیں۔ پس وہ لوگ اللہ کی خلقت میں تبدیلی کریں گے۔ اور جس نے اللہ کے علاوہ شیطان کو مددگار بنا لیا، تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں پڑے گا۔

اخمہ وشم (بدن کو گودوانا) اور تفلیج (دانتوں کو شو کے لئے ریتوانا) نیز حدیث نبوی میں جب اس لئے لعنت قرار دیئے گئے کہ ان میں اللہ کی بناوٹ کی تخریب ہو جاتی ہے تو ڈاڑھی اور چوٹی کے حسنِ خداداد کو بلا اذن الٰہی مٹانا گھٹانا کیوں تغیر خلق اللہ میں شامل اور

Marfat.com

موجب لعنت نہ ہوگا؟ یہ الگ بات ہے کہ تغییر خلق اللہ کہیں گھٹانے سے ہوتی ہے جیسے ڈاڑھی اور چوٹی اور کہیں بڑھانے سے ہوتی ہے جیسے بغل اور زیر ناف کے بال پس جیسے گھٹانے کی چیز کو بڑھانا خلاف فطرت ہے ویسے ہی بڑھانے کی چیز کو گھٹا بھی خلاف فطرت ہے۔ حیرت ہے کہ لوگوں کے نزدیک ناخنوں اور بغل اور زیر ناف کے بالوں کے بارہ میں تو حدیث فطرت حجت اور اس کا شرعی حکم ناقابل اعتراض ہو لیکن ڈاڑھی کے بارہ میں نہ ہی حدیث اور اس کا حکم نہ حجت ہو اور نہ ناقابل اعتراض ہو یک بام و دو ہوا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر چہرہ کی جمال پسندی اور جمال آرائی کا معیار تو لوگوں نے اختیار کیا مگر ہوائے نفس یا رواج یا ماحول سے مرعوب ہو کر اختیار کیا۔ جیسے ضرورت کے وقت کبھی شریعت کے سر ڈال دیا جاتا ہے اور کبھی بات نہ بننے کی صورت میں صاف یہی کہہ دیا جاتا ہے کہ شریعت نے اس کا کوئی معیار ہی مقرر نہیں کیا بلکہ اسے ہمارے اختیار پسند تمیزی پر چھوڑ دیا ہے اس کا حاصل وہی ہے جو مشرکین عرب خواہش کا ارتکاب ہوائے نفس سے کر کے کہہ دیا کرتے تھے کہ

واذا فعلوا فاحشۃ اور یہ لوگ جب کوئی برا کام

Marfat.com

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ؟

کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پہ پایا۔ اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم فرمایا ہے آپ فرما دیں کہ اللہ تعالے بری باتوں کا حکم نہیں فرماتے۔ کیا تم ایسی باتیں اللہ پہ لگاتے ہو جنہیں تم جانتے نہیں

* * * * * * * * * * *

بہرحال ڈاڑھی پست کرانے میں جیسے تشبہ بالکفار سے معصیت کی شان آتی تھی ویسے ہی تشبہ بالنساء سے بھی آتی ہے اور اس سے زیادہ تغییر خلق اللہ سے آتی ہے۔ اور ان سب کا مشترک خلاف ورزی قانون نکلتا ہے جو معصیت کا اصل سرچشمہ ہے۔ پس جو چیز خلاف ورزی قانون تشبہ بالکفار، تشبہ بالنساء اور تغییر خلق اللہ کی چار وجوہ سے معصیت ہو تو اس کے معصیت ہونے میں کلام کرنے کی آخری گنجائش ہی کیا ہو سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنے کی ضرورت شریعت نے مختلف عنوانوں سے ثابت کی۔ لفظ فطرت سے تو اس مسئلہ کا بدیہی ہونا بتلایا گیا جس کے لئے دلیل کا مطالبہ گویا کج بحثی کی

Marfat.com

علامت قرار دی گئی - پھر اس لفظ فطرت سے اسے پوری انسانیت کا مشترک مسئلہ ہونا باور کرایا گیا - پھر اسی لفظ فطرۃ سے اس کا آثار صلاح و رشد میں سے ہونا شمار کرایا گیا جس سے ڈاڑھی کے وجود کی تحسین نکلی - پھر لفظ سنّت سے اس کا مرغوب فیہ اور لائق عمل بلکہ لازم العمل ہونا ظاہر کیا گیا - پھر سنت مرسلین کے لفظ سے اس کا اجماعی مسئلہ ہونا واضح کیا گیا جو تمام انبیاء، تمام ملتوں اور تمام شریعتوں میں یکساں مشروع رہا ہے - پھر صیغہ امر سے ڈاڑھی رکھنے اور بڑھانے کا وجوب ثابت کیا گیا پھر لفظ امرت اس کے وجوب کا تاکد اور غیر محتمل واجب ہونا بتلایا گیا - پھر ڈاڑھی کے منفی پہلو یعنی ڈاڑھی منڈانے یا کتروانے کی ممانعت ثابت کر کے اس کا معصیت اور گناہ ہونا بتلایا گیا - اور پھر اس کی وجوہِ معصیت پر روشنی ڈالی گئی کہ وہ ایک ہی وجہ سے نہیں مختلف وجوہ خلاف ورزی قانون تشبہ بالکفار تشبہ بالنساء تشبہ بالمخنثین اور تغیر خلق اللہ وغیرہ بچند وجوہ معصیت -

ظاہر ہے کہ جو مسئلہ اس درجہ مستحکم اور مختلف الانواع دلائل سے اس طور پر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہو کہ وہ بدیہی بھی ہو نا قابل ملامت بھی ہو لائق تحسین بھی ہو قابل عمل بھی ہو واجب

Marfat.com

بھی ہو سارے پیغمبروں کی سنت بھی ہو۔ ساری اقوام کا اجماعی مسئلہ بھی ہو۔ اور پھر امت کے ہر دور اور ہر قرن میں عامۂ صلحاء و علماء، ائمہ و مجتہدین اور صحابہ و تابعین کا عملی شعار بھی رہا ہو تو کیا اس کے ثبوت اور وجوب کے بارہ میں شبہ کرنا دین سے انتہائی بے خبری اور بد ذوقی ہی کی علامت نہ ہوگا؟ چہ جائیکہ اس کا کھلا انکار بھی دلوں میں ہو؟ تو اس صورت میں اسے سوائے زیغ قلب یا غلط ماحول کے غلط تأثرات اور مرعوبانہ ذہنیت کے اور کس چیز پر محمول کیا جائے؟ بہرحال اس سلسلہ میں جبکہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت بلکہ اجماع امم اور اجماع انبیاء و رسل سے شواہد پیش کر دیئے گئے تو اس کا مجمع علیہ طاعت ہونا اور اس کی خلاف ورزی کا مجمع علیہ معصیت ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

ڈاڑھی کی شرعی مقدار

ڈاڑھی کی مقدار کا محدود ہونا تقاضائے فطرت ہے

رہا ڈاڑھی کی مقدار خاص کا مسئلہ سو جیسے ڈاڑھی بڑھانے کا

Marfat.com

فطرۃ سے بھی ثابت کیا گیا جو اس کے طبعی ہونے کا ثبوت ہے اور لفظ سنت اور صیغہ امر سے بھی ثابت کیا گیا جو اس کے شرعی ہونے کا بڑا ثبوت ہے ایسے ہی ڈاڑھی کی ضرورت مقدار بھی فطرۃ وسنت دونوں ہی سے ثابت شدہ ہے جو اس کے طبعی اور شرعی ہونے کی دلیل اور نوع انسانی کی مشترک خواہش ہونے کی واضح علامت ہے۔ کیونکہ فطرۃ انسانی اپنے خلقی شعور کے سبب ڈاڑھی میں حد سے گذری ہوئی کمی اور زیادتی کو جس کا نام افراط اور تفریط ہے برداشت نہیں کرتی بشرطیکہ یہ فطرت مسخ یا مرعوب یا کم از کم مغلوب الحال نہ ہو چکی ہو اس دائرہ کی افراط اور زیادتی تو یہ ہے کہ ڈاڑھی کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ طول وعرض میں جدھر بھی خودرو گھاس کی طرح بڑھے اسے بڑھنے دیا جائے کہ وہ بڑھتی اور پھیلتی چلی جائے ظاہر ہے کہ یہ صورت حال طبع سلیم کبھی گوارہ نہیں کر سکتی کیونکہ بقول امام طبری (کما فی النووی) یہ ڈاڑھی نہیں بلکہ ایک مضحکہ ہے جو تمسخر کرنیوالوں کے لئے دعوت تمسخر اور خود ڈاڑھی والوں کے لئے خفت و تہمال د موزونیت ہے۔ اِدھر اس کے بالمقابل تفریط۔ اور حد سے گذری ہوئی کمی یہ ہے۔ کہ ڈاڑھی کا سر لیسے صفایا بول دیا جائے جس سے چہرہ مخنثوں

Marfat.com

عورتوں کا سا ہو کر رہ جائے نہ اس پر مردانہ جمال نہ رہے نہ ہیبت و قار یا اتنی پست اور چھوٹی کر دی جائے کہ وہ منہ کے جبڑوں اور ٹھوڑی کے کناروں سے لپٹ کر رہ جائے جو جمال ہیئت کا نقص اور ہیبت و وقار کا خلل ہے۔ غرض انسانی جمال پسندی کا شعور نہ ڈاڑھی کا صفایا برداشت کرتا ہے نہ اس کی غیر محدود درازی

اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ڈاڑھی کے بارے میں طبع سلیم کوئی ایسی پابندی ضرور چاہتی ہے جس کے تحت ڈاڑھی نہ اتنی گھٹے کہ اس پر لٹکی ڈاڑھی کا اطلاق نہ ہو جو مامور بہ ہے اور نہ اتنی بڑھے کہ حد تمسخر و استہزاء میں آ جائے جو جہل وحمق کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حد بندی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے طول و عرض میں قطع و برید کر کے ایک ایسی حد اسے ٹھیرا یا جائے جس میں نہ غیر معمولی کمی ہو نہ زیادتی۔ گویا یہ حد حدِ اعتدال ہو نہ حدِ افراط ہو نہ حدِ تفریط کہ افراط و تفریط درحقیقت کوئی حد نہیں بلکہ زوالِ حد کا نام ہے۔

ڈاڑھی کا نکالنا یا بڑھانا اختیاری نہیں صرف گھٹانا اختیاری ہے اسلئے گھٹانے ہی پر پابندی عائد کیجا سکتی ہے	پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ڈاڑھی کا بڑھنا کیونکہ انسان کا اختیاری فعل صرف گھٹانا اختیاری

Marfat.com

ہے اس لئے ڈاڑھی کو معتدل رکھنے کے لئے جو حد بھی مقرر کی جائے گی وہ گھٹانے کی حد ہو سکتی ہے جسے عدِ قطع کہیں گے نہ کہ حدِ بقاء۔ یعنی قطع و برید کی حد ہو گی کہ ڈاڑھی تراشتے تراشتے اس حد پر پہنچکر رک دی جائے اس سے زیادہ نہ تراشی جائے۔ کہ یہ اختیاری فعل ہے حدِ بقاء نہ ہو گی کہ بڑھاتے بڑھاتے اس حد پر آکر تھام دی جائے اور بڑھانا بند کر دیا جائے کیونکہ بڑھانا اختیاری فعل نہیں صرف قدرت کا کام ہے یوں قدرتی طور پر اس کے بڑھتے رہنے اور اس حد پر پہنچ جانے کا انتظار کرتے رہنا انتظار کا فعل ہو گا بڑھانے کا فعل نہ ہو گا جس پر مذکورہ ثمرہ مرتب ہو یہی وجہ ہے کہ ڈاڑھی اس مقدار تک پہنچنے سے پہلے خواہ کتنی ہی چھوٹی رہے اور اسے اس حد تک پہنچتے پہنچتے خواہ کتنی بھی مدت لگے اس پر کوئی گرفت اور مواخذہ نہیں لیکن اگر اسے گھٹا کر اتنی چھوٹی کر لی جائے جتنی قدرتی طور پر ابتداء میں تھی خواہ قلیل مدت ہی کے لئے کیوں نہ ہو تو یہ قابل مواخذہ و سرزنش ہے حالانکہ قلت کی مقدار دونوں صورتوں میں برابر ہے فرق یہی ہے کہ پہلی صورت غیر اختیاری ہے اس لئے قابل گرفت نہیں اور دوسری صورت اختیار سے پیدا کی جاتی ہے اس لئے قابل مواخذہ ہے۔ بعینہ اسی طرح اگر ڈاڑھی نکلنے سے پینتیس پچاس برس تک بھی صاف اور بے ڈاڑھی کا رہے تو کو

تو اخذہ نہیں لیکن اگر ڈاڑھی نکل آنے پر باختیار خود صاف کیا جائے تو قابل تعزیر و سرزنش ہے خواہ ایک ہی دن کی نیت سے ہو۔ فرق یہی ویسے اختیاری کا ہے۔ پس جیسے اصل ڈاڑھی کو نکال لینا اختیار میں نہیں ایسے ہی اس کا بڑھا دینا بھی اختیار میں نہیں اس لئے ڈاڑھی کی حد بندی کے لئے جو بھی حد مقرر ہوگی وہ اسے بڑھا بڑھا کر کسی مقدار تک لے آنے کی حد نہ ہوگی جسے حدِ لقار کہا جائے کہ یہ فعل اختیاری نہیں بلکہ تراش تراش کر کسی حد تک رُک جانے کی حد ہوگی جسے حدِ قطع کہا جائے گا۔ یعنی جب ڈاڑھی کا گھٹانا ہی فعل اختیاری ہے تو اس پر پابندی بھی عائد ہو سکتی ہے بڑھانا اختیاری نہیں تو اس پر پابندیاں بھی نہیں لگائی جا سکتیں۔ اس کا ایک ثمرہ تو یہ نکلتا ہے کہ ڈاڑھی اگر اس مقررہ حد سے بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا کیونکہ یہ فعل قدرتی ہے اور ایک چیز قدرت کی لائی آرہی ہے جسے کسی منافی فعل سے روکا نہیں گیا (یوں اصلاح ہیئت کے لئے اِدھر اُدھر کے بڑھے بال لے لئے جانے اس کے منافی نہیں) لیکن اگر اس حد سے کم ہو جائے تو اس کی گنجائش نہ ہوگی کیوں کہ یہاں تجاوز حدود خود اپنے اختیاری فعل سے سرزد شدہ ہوگا۔

ڈاڑھی کا قابل بقا حصہ لائق حد بندی ہے نہ کہ قابل قطع حصہ۔

پھر اسی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ

Marfat.com

جب یہ حد حدِ قطع ہو گی کہ اس سے آگے ڈاڑھی نہ کاٹی جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ ڈاڑھی کے سلسلہ میں مقدار معین اگر ہو سکتی ہو تو قابل بقاء حصہ کی ہو سکتی ہے جو کاٹ دینے کے بعد باقی رکھنا ہے نہ کہ قابل قطع حصہ کی جسے کاٹنا مقصود ہے کیونکہ قابل قطع وہ ہے جو بڑھ رہا ہے اور اس لئے وہ کاٹ کر محدود کر دینے کے قابل ہوا ہے وہ قدرتی فعل سے بڑھ رہا ہے۔ اُسے ہم کسی حد پر ٹھہرا دینے کی قدرت نہیں رکھتے کہ اسے کاٹ کر آگے بڑھنے سے روک دیں جس سے قابل بقاء حصہ بھی تھم جائے اور ڈاڑھی کی مقدار معینہ اس سے کم نہ ہونے پائے۔ اسلئے حد بقاء مقرر کر دینے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی البتہ ڈاڑھی کا کاٹ دینا اور کاٹ کر حصہ باقی رکھنا جو محفوظ رہے اور اس سے کم ہونا پائے یہ خود ہمارا فعل ہے اس لئے ہمارے فعل کی حد تک اس باقی ماندہ حصہ کی مقدار بھی معین کی جا سکتی ہے جس کے ہم پابند ہوں گے۔ اب اگر اس سے کچھ بڑھ جائے تو مضائقہ نہیں مگر کم نہ ہونے پائے۔ پس یہ حد بندی ڈاڑھی کے قابل بقاء حصہ کو لئے ہو گی جس کی صورت زائد حصہ کو تراش دینا ہے خواہ وہ کتنا ہی ہو نہ کہ قابل قطع حصہ کو محفوظ کر دینے کی ہو گی کہ ڈاڑھی کو اس سے آگے بڑھنے سے روک دیا جائے وہ اس مقدار پر رُکی رہے۔ اور اس کا نشو و نما بند ہو جائے۔ مگر یہ جب ہی ممکن ہے

Marfat.com

کہ قابل تحفظ حصہ کی مقدار معین ہو کر اس سے زائد کو قطع کر دیا جائے نہ یہ کہ قابل قطع حصہ کی مقدار معین ہو کہ اسے قطع کر کے ڈاڑھی اسی حد پہ تھام دی جائے اور بڑھنے نہ دی جائے۔ پس قابل قطع حصہ بڑھتا رہے گا اور ہم اسے کاٹتے رہیں گے جس سے قابل بقاء حصہ خود ہی قائم رہے گا جس میں کمی نہ ہونے پائے گی نہ کہ قابل قطع حصہ باقی رہے گا کہ اس میں زیادتی نہ ہونے پائے گی اس لئے ہمارے اختیار سے اگر حد مقرر کرائی جا سکے گی تو وہ قابل حفاظت حصہ کی مقرر کرائی جائے گی کہ وہ ہمارا اختیاری ہے نہ کہ قابل قطع حصہ کی کہ وہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ ورنہ اگر یہ حصہ ہمارے اختیار میں ہوتا تو ڈاڑھی کی قطع برید کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہم ابتداء ہی سے اس کے بڑھنے پر پابندی لگا کر اسے اسی مقررہ حد پر بند کر دیتے کہ نہ وہ آگے بڑھتی نہ اسے تراشنے کی نوبت آتی۔ بہر حال اس سے واضح ہو گیا کہ یہ حد بندی ڈاڑھی کے قابل ابقاء حصہ کی مقدار کو معین کرنے کیلئے ہے تاکہ اس سے زائد حصہ کاٹ دیا جائے نہ کہ قابل قطع حصے کی مقدار معین کرنے کے لئے کہ اسے کاٹ کر باقی ماندہ حصہ کو اس حد پہ تھام دیا جائے۔

ڈاڑھی کی حد بندی کا پیمانہ قدرتی ہونا چاہئے

یہیں سے ایک مسئلہ یہ بھی کھلا کہ جب اس

حد بندی کا حاصل یہ ہے کہ ڈاڑھی کی ایک حصّہ مقدار کو قائم رکھ کر زائد کو تراش دیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس حد بندی کا تعین بغیر کسی معیار اور پیمانہ کے ممکن نہیں جس کی رُو سے مقدار کی کمی بیشی متعین کیجائے تاکہ بیشی کو تراشا جائے اور کمی کو بڑھنے کا موقعہ دے کر اس مقررہ حد تک پہنچنے دیا جائے ورنہ اگر محض تخمین و اندازہ سے ایک ہاتھ میں قینچی لے کر ڈاڑھی کے طول و عرض کو قلم کیا جاتا رہے جسکی نہ کوئی معینہ مقدار ہو نہ مقررہ پیمانہ تو قطع برید کے بعد باقی ماندہ حصّہ کبھی بھی یکساں نہیں رہ سکتا کبھی بڑا رہے گا اور کبھی چھوٹا کبھی گول ہوگا اور کبھی لمبوترا کبھی حقیر نظر آئے گا اور کبھی عظیم و کبیر اور ظاہر ہے کہ یہ چہرہ کا ایک تلون ہوگا جس سے اس کا وقار اور قلوب میں اس کی وقعت باقی نہیں رہے گی وقعت ہمیشہ پختگی وضع اور تمکین سے ہوتی ہے روز روز کی تبدیلیٔ وضع چہرہ کو ہدف اشارات و ملامت بنا دے گی گویا دیکھنے والے ہر روز اس انتظار میں صبح کریں گے کہ دیکھیں فلاں صاحب آج کونسے چہرہ سے سامنے آتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ آدمی کے عزّ و وقار پر ایک کاری ضرب اور زبردست زد ہے اس لئے ڈاڑھی کے قابل تحفظ حصّہ کی مقدار کا متعین ہونا جہاں ضروری نکلتا ہے وہیں اس تعین کے پیمانہ اور معیار کا وجود بھی

Marfat.com

ضروری قرار پاتا ہے۔

ڈاڑھی کی مقدار کا فطری پیمانہ قبضہ یعنی مٹھی ہے

ظاہر ہے کہ اس پیمانہ کے لئے گز یا فٹ اور انچ کو استعمال کرنا خود ایک مضحکہ ہوگا اس لئے پیمانہ بھی مصنوع ہونیکے بجائے قدرتی اور بے تکلف ہونا چاہئے جو ان مصنوعی آلات پیمائش سے بالاتر اور مستغنی ہو سو ایسا پیمانہ جو ہمہ وقت اس طرح اپنے پاس رہے جیسے خود ڈاڑھی رہتی ہے سوائے اپنے ہاتھ کے دوسرا نہیں ہو سکتا جس سے ڈاڑھی کو گرفت میں لیکر دوسرے ہاتھ سے قطع برید کا عمل کیا جائے کہ یہ پیمانہ ہر وقت پاس بھی ہے اور اس کا استعمال ہر وقت ممکن بھی ہے اب اگر ڈاڑھی کی گرفت کے لئے ہاتھ کی صرف دو دو تین تین انگلیاں استعمال کی جائیں تو ظاہر ہے کہ ان سے ساری ڈاڑھی بیکدم تو گرفت میں آ ہی نہیں سکتی۔ اِدھر اُدھر کا ایک ایک حصّہ ہی اِن انگلیوں کی گرفت میں آسکے گا جن سے اس حصّہ کو تھام کر زائد حصّہ کو تراشا جائے گا تو ہر طرف کی گرفت بھی متفاوت ہوگی اور قطع و برید بھی الگ الگ جس سے ڈاڑھی میں یکسانیت کا قائم رہنا ناممکن ہے اور جبکہ پوری ڈاڑھی ہی کا روز روز چھوٹا بڑا ہونا وقار کے خلاف تھا جیسا کہ واضح

Marfat.com

ہو چکا ہے تو ایک ہی ڈاڑھی کے مختلف حصّوں اور جہتوں کا چھوٹا بڑا ہونا تو اور بھی مضحکہ انگیز ہوگا اب اگر اس عدم یکسانی کا علاج آئینہ سے کیا جائے یا لوگوں کو سامنے بٹھا کر قطع و برید میں ان سے ہدایات حاصل کیجائیں اور ان کی تصویب و توثیق پر تراشنے کا مدار ہو تو یہ تکلف ہونے کے علاوہ دوسرے کی محتاجگی بھی ہے اور اپنے بارہ میں دوسروں کے یقین کی غیر ضروری تقلید بھی ہے۔ بلکہ اپنی ساتھ ایک قسم کا تمسخر بھی ہے۔

ڈاڑھی کی فطری اور طبعی مقدار مٹھی بھر ہونی چاہیئے

اس لئے ہاتھ سے گرفت کی معقول صورت یہی ہو سکتی ہے کہ پورے ہاتھ سے مٹھی بھر کر ڈاڑھی گرفت میں لی جائے اور دوسرے ہاتھ سے بیرون گرفت حصہ کو قطع کر دیا جائے یہ ایک ایسا بے تکلف پیمانہ اور سہل ترین عمل ہے جو قدرتی بھی ہے اور غیر کی محتاجگی حتیٰ کہ آئینہ کی توثیق و تصدیق سے بھی مستغنی ہے۔ اب اگر اس گرفت شدہ حصہ ہی کو جو پوری مٹھی میں آجائے ڈاڑھی کا قابل بقاء حصہ قرار دیا جائے تو یہ ایک ایسی معینہ مقدار ہوگی کہ نہ اس میں کمی زیادتی کا کوئی احتمال باقی رہے گا اور نہ عدم یکسانی اور تفاوت کا نیز قطع برید کے باوجود

Marfat.com

ڈاڑھی کی دو شرعی صفتیں - اعفاء و ارخاء کہ ڈاڑھی بڑھی ہوئی بھی ہو اور بال لٹکے ہوئے بھی ہوں تاکہ اعفاء ارخاء ارجاء اور توفیر وغیرہ کے شرعی اوامر کا تقاضا پورا ہو کلیۃً محفوظ ہو جائیں گی اور وہ اعتدال کہ نہ ڈاڑھی کھال سے چپکی ہوئی ہو نہ لٹک کر بے ڈھنگی ہو بہت آسانی سے حاصل ہو سکے گا۔

ریش تراشی کی تین صورتیں

اس ساری بحث کا تنقیحی خلاصہ یہ ہے کہ ڈاڑھی کو مٹھی میں لیکر قطع و برید کرنے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ ڈاڑھی کا سب سے اوپر کا حصہ جو رخساروں اور ٹھوڑی پر اگا ہوا ہے مٹھی میں بھر کر ٹھوڑی سے نچلا حصہ تراش دیا جائے جس سے مٹھی میں دبا ہوا حصہ تو مونہہ پر باقی رہ جائے اور ٹھوڑی سے نیچا حصہ کٹ کر جھڑ جائے۔

(۲) دوسری صورت بالکل اس کے برعکس یہ ہے کہ ڈاڑھی کے لٹکے ہوئے حصہ کا بالکل نچلا سرا مٹھی کی قدر مٹھی میں پکڑ کر مٹھی کے اوپر کی سمت سے ملے ہوئے حصہ پر قینچی چلائی جائے جس سے یہ مٹھی میں دبا ہوا حصہ تو ختم ہو جائے اور مٹھی سے اوپر اوپر کا حصہ باقی رہ جائے خواہ وہ کتنا بھی لانبا اور چوڑا یا کتنا ہی چھوٹا اور مختصر رہ جائے۔

Marfat.com

(۳) تیسری صورت درمیان کی ہے اور وہ یہ کہ ڈاڑھی کا نہ بالکل اوپر کا حصہ لیا جائے جو رخساروں اور ٹھوڑی کے اوپر جما ہوا ہے نہ بالکل نچلا حصہ لیا جائے جو سینے اور ناف سے قریب ہے۔ بلکہ اسکے بیچ میں ٹھوڑی سے ملا ہوا نچلا حصہ مٹھی میں لیا جائے اور جس قدر مٹھی میں آجائے اسے باقی رکھکر نچلا حصہ کاٹ دیا جائے۔ جس سے یکمشت ڈاڑھی ٹھوڑی سے نیچے لٹکی ہوئی باقی رہ جائے اور اس سے نیچے نیچے کا حصہ کٹ کر ختم ہو جائے۔

مقدار قبضہ کی دو صورتیں بھدی ہیں

غور کیا جائے تو ان تینوں صورتوں میں پہلی دو صورتیں بھدی اور افراط و تفریط کی ہیں جن میں نہ شرعی حدود محفوظ رہتی ہیں نہ طبعی موزونیت البتہ آخر کی صورت جیسے درمیان کی ہے ویسے ہی درمیانی اور متوسط بھی ہے جس میں شرعی اور طبعی حدود کا تحفظ بھی رہتا ہے اور اعتدال کی ساتھ موزونیت بھی ضائع ہونے نہیں پاتی۔ کیونکہ پہلی صورت لی جائے تو اس میں ڈاڑھی کا سب سے اوپر کا حصہ وہ ہے جو جبڑوں اور ٹھوڑی پر اگا ہوا اور اس سے ملا ہوا ہے اگر ہاتھ کی ہتھیلی جبڑوں اور کلوں پر رکھ کر اور مٹھی سے اسی تھام کر ٹھوڑی سے نیچے نیچے کے سب بال کاٹ دیئے جائیں تو اول تو وہ مٹھی

میں آہی نہیں سکتا مٹھی میں آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ڈاڑھی کو گرفت میں لیکر چہار طرف سے اسے گھیر لیں اور بند ہو جائیں لیکن یہاں چہرہ پر ہاتھ کی انگلیاں صرف رخساروں ہی پر پھیل کر رہ جاتی ہیں نہ ٹھوڑی کے غالب حصے اور بالخصوص اس کے نچلے حصہ کو مس کرتی ہیں اور نہ اوپر ٹپٹی ہی تک ہی پوری پہونچتیں ہیں حتیٰ کہ رخسارے بھی پورے پورے انگلیوں کی احاطہ میں نہیں آتے پس سرے سے انگلیوں کی گرفت ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ گرفت کے ساتھ ہر جہتی بندش اور مٹھی کے بند ہو جانے کی صورت پیدا ہو بالفاظ دیگر وضع ید (ہاتھ رکھدینا) تو ہو جاتا ہے مگر قبض ید (ہاتھ سے قبضہ کرنا) نہیں ہوتا اس صورت میں اگر ان انگلیوں کے احاطہ سے باہر باہر کا حصہ کاٹ لیا جائے تو ٹھوڑی سے نیچے کا تو پورا حصہ ہی غائب ہو جائیگا۔ اور رخساروں کے اوپر کا اگا ہوا حصہ جو انگلیوں میں دبا ہوا ہے عدم یکسانی کے ساتھ کچھ ختم ہو جائے گا اور کچھ باقی رہ جائے گا جس کا نقشہ اور بھی زیادہ بھدا اور مضحکہ انگیز ہو جائے گا گویا ڈاڑھی تو غائب ہو جائے گی اور بھدا پن قائم رہ جائے گا۔ اور اس طرح یہ عمل قلب موضوع ہو جائے گا کہ عمل کیا جارہا تھا جمال ہئیت کو باقی رکھنے

Marfat.com

بلکہ وہ پامال کرنے کے لئے اور نتیجہ نکلا زوالِ جمال اور بھونڈے پن کے قائم ہو جانے کا۔ پس اس صورت میں نہ ڈاڑھی کے باقی ماندہ حصہ کی خوبصورتی ہی باقی رہتی ہے نہ یکسانی اور نہ اوپر سے وہ ارسال (بالوں کا لٹکنا) جو مقصودِ شریعت تھا جس کے لئے اعفاء لحیہ (ڈاڑھی بڑھانے) کا امر کیا گیا تھا وہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر کچھ رہتا بھی ہے تو صرف عرض میں جبڑوں پر تو رہ جاتا ہے طول میں قطعاً نہیں رہتا۔ حالانکہ بالوں کے لٹکنے کا زیادہ تحقق ٹھوڑی سے نیچے ہی بالوں میں یعنی طول ہی میں ہو سکتا تھا جن کے لٹکنے سے ڈاڑھی بڑھی ہوئی اور دراز نظر آتی ہے پس طبعی موزونیت بھی باقی نہیں رہتی اور شرعی جمال بھی ختم ہو جاتا ہے اس لئے مقدار لحیہ کی یہ پہلی صورت کہ ڈاڑھی کے سب سے اوپر کے حصہ یعنی جبڑوں اور ٹھوڑی کی حد تک گرفت کرنے کی صورت کسی طرح بھی موزوں نہیں ہو سکتی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ اس کے برعکس لٹکی ہوئی ڈاڑھی کے سب سے نچلے حصہ کو پوری مٹھی سے قبضہ کر کے مٹھی سے اوپر کی سمت سے ملے ہوئے حصہ پر قینچی چلائی جائے تو یقیناً قطع تو ایک ہی مشت حصہ ہوا مگر اوپر کے باقی ماندہ حصہ کی کوئی مقدار معین نہ رہی ہو سکتا ہے کہ وہ باقی ماندہ حصہ یا تو اتنا دراز باقی رہ جائے کہ ناف تک آ جائے

جبکہ ڈاڑھی بہت لمبی ہو اور وہی مضحکہ کی صورت ہو جائے اور یا اتنا مختصر ہو جائے کہ ٹھوڑی سے جا لگے جبکہ ڈاڑھی چھوٹی ہو تو اس میں وہ شرعی ارسال اور اعفا باقی نہیں رہتا یا درمیان کے کسی درجہ میں رہے جس کی کوئی مقدار معین نہ ہو تو ان تینوں صورتوں میں کٹے ہوئے حصہ کی مقدار تو معین رہتی ہے کہ وہ ایک مٹھی تھا لیکن نیچے ہوئے حصہ کی کوئی مقدار ہی معین نہیں ہوتی حالانکہ مقدار معین کرنی تھی بچے ہوئے اور رہنے والے حصہ کی کہ وہ کتنا ہونا چاہیئے اور یہ حد بندی کی ہی اس لئے جا رہی تھی کہ ڈاڑھی کے قابل بقا حصہ کی مقدار کا تعین ہو جائے۔ پس پہلی صورت میں جبکہ ڈاڑھی کا چہرے سے ملا ہوا حصہ باقی رکھ کر ٹھوڑی سے نیچے کا حصہ کاٹ دیا جائے تو چہرے کی حد تک تو ڈاڑھی کی حد بندی ہو جاتی ہے مگر استرسال (بالوں کا لٹکا ہونا) باقی نہیں رہتا جو شرعًا واجب تھا اور دوسری صورت میں جبکہ نچلا حصہ تمام کر اوپر سے قطع کیا جائے تو یہ استرسال تو کسی نہ کسی حد تک مشتبہ صورت میں باقی رہتا ہے مگر حد بندی کلیتہً ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس رہے ہوئے حصہ کی کوئی مقدار ہی معین اور محدود نہیں ہو سکتی۔

مقدار یکمشت کی معتدل صورت اس لئے قدرتًا ایسی

Marfat.com

صورت جس میں حد بندی بھی یقینی ہو اور استرسال ڈاڑھی کا لٹکا ہونا بھی قطعی ہو وہی تیسری صورت رہ جاتی ہے جو درمیانی تھی کہ ٹھوڑی کے نچلے حصہ سے ملا ہوا اور لٹکا ہوا ڈاڑھی کا حصہ مٹھی سے قبضا کر باقی ماندہ نچلا حصہ قطع کر دیا جائے تو باقی ماندہ حصہ ایک مٹھی جو باقی رہ جاتا ہے اس میں حدِ اعتدال بھی قائم رہتی ہے اور اس قابل تحفظ حصہ کی حد بھی متعین رہتی ہے کہ وہ یکمشت ہو۔ نیز استرسال اور اعفاء بھی اپنی جگہ برقرار رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ مٹھی بھر حصہ کی نچلی حد حدِ قطع بھی ثابت ہو جاتی ہے اسی قابل تحفظ حصہ کو شرعی اصطلاح میں مقدار قبضہ کہتے ہیں کیونکہ یہ مٹھی بھر ہوتا ہے اور مٹھی کو عربی میں قبضہ ہی کہتے ہیں۔ پس مقدار قبضہ کی عرض کردہ تین صورتوں میں دو صورتیں افراط و تفریط کی ہیں اور یہ ایک آخری صورت اعتدال کی جسے طبعی اور فطری اور معقول صورت کہا جائے گا کیونکہ قبضہ کی اس مقدار کا تعین مقدمات بالا کی رو سے کیا گیا ہے اور یہ سارے مقدمات یعنی ڈاڑھی کی حد بندی۔ حد بندی کا معیار معیار کا قدرتی ہونا۔ قدرتی معیار کا محل خاص میں استعمال اس سے شرعی حدود و ارسال کا تحفظ وغیرہ فطری ہیں۔ جنکی طرف طبع سلیم اور فطرۃ مستقیم خود رہنمائی کرتی ہے تو ان سے برآمد شدہ نتیجہ یعنی مقدار یکمشت بمحل خاص بھی

Marfat.com

فطری ہی کہی جائے گی جس سے ڈاڑھی کی اس مقدار کا مع اس حد بندی کے فطری ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

کیا یہ مقدار قبضہ (یکمشت) شرعی مقدار ہے

رہا یہ کہ ڈاڑھی کی قطع و برید کا یہ عمل اور اس کی مقدار قبضہ سے یہ حد بندی جیسے طبعی اور عقلی ہے جیسا کہ واضح ہوا آیا شرعی بھی ہے یا نہیں؟ سو ظاہر ہے کہ جب فطرۃ انسانی فطرۃ اللہ ہی سے بنی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے انسانیت عامہ مل کر طبعی جذبہ سے پسند کرے اور اس کی خوبی پر مجتمع ہو جائے وہ شرعاً غیر فطری ہو؟ بلکہ فطرۃ انسانی میں ایسی رہنمائی پیدا ہی فطرۃ اللہ سے ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ڈاڑھی سے متعلق یہ تمام فطری معاملات شرعی بھی ہوں۔

ڈاڑھی کی مقدار قبضہ کا قرآن سے ثبوت

چنانچہ جہانتک قرآنی تصریحات کا تعلق ہے انبیاء سابقین کی ڈاڑھی یکمشت سے کم ثابت نہیں ہوتی بنی اسرائیل کی گئو سالہ پرستی پر جو موسیٰ علیہ السلام کی غیبت اور ہارون علیہ السلام کے ایام خلافت میں پیش آئی جب حضرت

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام کو واپسی پر حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ آیا اور بجوش جلال میں سرزنش کرتے ہوئے ان کی ڈاڑھی پکڑ لی تو انہوں نے عرض کیا۔

یا ابن اُمّ لا تأخذ — میرے ماں جائے بھائی میری ڈاڑھی

بلحیتی ولا برأسی — اور سر تو نہ پکڑیئے۔

ظاہر ہے کہ ڈاڑھی کی یہ پکڑ اور گرفت جو ہاتھ اور مٹھی ہی سے ہو سکتی ہے محض چند انگلیوں سے اس وقت تک صحیح نہیں ٹھہر سکتی جب تک کہ ان کی ڈاڑھی مقدار کو کم از کم ایک قبضہ نہ جانا جائے اگر مٹھی بھر سے کم ہوتی تو وہ پکڑ ہی میں نہیں آسکتی تھی جس کے لئے ڈاڑھی کی پکڑ کا لفظ استعمال کیا جاتا۔

مقدار قبضہ انبیائے سابقین کا عمل ہے

اس نص قطعی سے ایک سابق پیغمبر کی ڈاڑھی سے کم از کم مقدار قبضہ کا ثبوت ضرور مل جاتا ہے اور جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام سنن فطرۃ میں ایک دوسرے کا اقتداء فرماتے رہے جیسا کہ متعدد آیات قرآنی اور بالخصوص آیۃ کریمہ فبھداھم اقتدہ (اے رسول، انبیائے سابقین کی اقتداء کرو) کے عمومی اصول سے واضح ہے اس لئے دل اور عقل دونوں اسے قبول کرتے ہیں کہ کسی کی

Marfat.com

پیغمبر کی ڈاڑھی مقدار قبضہ سے کم نہ ہو پس جیسا کہ ڈاڑھی بڑھانا سارے پیغمبروں کی متفقہ سنت اور فطرہ تھی جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہوئی ایسے ہی اس کا کم از کم مقدار قبضہ ہونا بھی اس آیت سے ہر پیغمبر کی سنت نکلتا ہے اور اگر صرف ہارون علیہ السلام ہی کی حد تک مقدار قبضہ کا وجود ثابت مانا جاوے جیسا کہ الفاظ قرآنی اس بارہ میں واضح ہیں تب بھی اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام سے پہلے دائرۂ نبوت میں ڈاڑھی کی مقدار کم سے کم قبضہ (مٹھی بھر) ضرور تھی جس سے مقدار قبضہ کا انبیاء سابقین کی سُنّت سے ثبوت مل جاتا ہے۔ اور وہ بھی بہ نص قرآن۔

حضور کی ڈاڑھی کی مقدار بھی یکمشت سے کم نہیں ہو سکتی

پھر فبھداھم اقتدہ کے تقاضا کے مطابق جبکہ آپ سابقین کی سنتوں کا اقتداء فرماتے تھے اور اس کے لئے مامور بھی تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لحیۂ مبارک کی مقدار قبضہ سے کم ہو جو اس اقتداء کا تقاضا ہے پس اس آیت سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کی مقدار کا بھی کم از کم یکمشت ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

بہر حال جہاں تک قرآنی عبارت و دلالت کا تعلق ہے ڈاڑھی کی

Marfat.com

ساتھ ساتھ اس کی ایسی مقدار ضرور ثابت ہو جاتی ہے جو مٹھی میں آسکے اور اسی مقدار کا نام مقدار قبضہ ہے۔

حضور کی ڈاڑھی تراشنے کی حدود

پھر ڈاڑھی کی حد بندی کے سلسلہ میں اگر اس مقدار قبضہ کو ایک مقدار خاص کی حیثیت دی جائے جس سے زائد کا رکھا جانا ضروری نہ ہو تو اس کے لئے طول و عرض میں قطع برید کا ثبوت بھی شرعی روایات میں موجود ہے۔ چنانچہ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من طولھا وعرضھا (ترمذی)

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی میں سے طول اور عرض دونوں میں سے کچھ حصہ تراش دیا کرتے تھے۔

مقدار قبضہ کا ثبوت حدیث نبوی سے

تراشنے کے بعد کتنا حصہ باقی رہتا تھا؟ آیا وہ ٹھوڑی اور رخساروں سے لگی لگی رہ جاتی تھی جسے خشخشی کہتے ہیں یا لٹکی ہوئی رہتی تھی جس میں استرسال اور اعفاء محفوظ رہتا ہو۔ سوید بن فارسی نے جو تابعی ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

Marfat.com

خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے ذکر کیا اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شیطان کو میری صورت میں آنے کی قدرت نہیں دی گئی اس لئے جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا اور یہ کہکر یزید فارسی سے فرمایا کہ ہاں کیا تم اس شخصیت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو جسے تم نے خواب میں دیکھا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں! اور اس شخصیت پاک کی صفت اور حلیہ بیان کرنا شروع کیا جس میں ایک صفت یہ بھی بیان کی کہ

مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ	(میں نے دیکھا) کہ ان کی ڈاڑھی نے
هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ اِلٰی هٰذِهٖ	بھر رکھا تھا اپنے دونوں رخساروں
(شمائل ترمذی)	اور ٹھوڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوتے)

ادھر اور ادھر کے درمیان یعنی دائیں اور بائیں رخساروں کی دونوں جانبوں کو ڈاڑھی نے ڈھانپ رکھا تھا (یہ ڈاڑھی کے عرض بیان ہوا) اس سامنے کی) جانب کو (یعنی ٹھوڑی کی جانب کو بھی ڈھانپ رکھا تھا اور یہ سمت بھی ڈاڑھی سے بھرپور تھی (یہ ڈاڑھی کے طول کا بیان ہوا)

ظاہر ہے کہ ملاآن اور بھرپور اور وہ بھی ہر جہتی بھرپور رہی ایتی انتصر

Marfat.com

اُدھر کی قید کے ساتھ بھرپوری کا لفظ خشخشی یا کتری ہوئی ڈاڑھی کے لئے نہیں بولا جا سکتا جب تک کہ ڈاڑھی نے کانوں کی لو سے لیکر گردن کے سامنے کے سارے حصّہ کو پوری طرح ڈھانپ نہ رکھا ہو۔ اسی کو عرفِ عام میں بھرا ہوا خط کہتے ہیں پھر اس بھراؤ اور بھرپوری کے ساتھ کوئی وجہ نہیں کہ استرسال اور اعفاء ڈاڑھی کے بالوں کا لٹکتا ہوا ہونا کی صفت کو شامل نہ کیا جائے جس کو احادیث قولیہ نے واجب ٹھیرایا ہے اور جس سے یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کو کسی نص کے ذریعہ مستثنیٰ نہیں فرمایا یعنی آپ کے حق میں بھی یہ ارسال واجب تھا تو اس مجموعہ سے ریش مبارک کی وہ مقدار بھی نکل آتی ہے جو ٹھوڑی کے نیچے مٹھی میں آسکے ورنہ ملاّن اور استرسال کا مجموعہ نہیں بنتا یہ صفت و حلیہ مبارک سنکر ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لو رایتہٗ فی الیقظۃ	(اے یزید) اگر تو اس صورت مبارکہ
ما استطعت ان تنعتہٗ	کو جاگنے کی حالت میں دیکھتا تو
فوق ھذا	اس سے زیادہ حلیہ مبارک کا نقشہ
(شمائل ترمذی)	نہیں کھینچ سکتا تھا۔

(جو تو نے خواب میں دیکھا ہے) ہو بہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک یہی تھی جو تو نے بیان کی ظاہر ہے کہ اس توثیق کے

Marfat.com

حضور کی ریش مبارک کی یہ مقدار محض ایک تابعی کا خواب نہیں
جاتی بلکہ صحابی کا اثر ثابت ہو کر حکم میں مرفوع حدیث کے ہو جاتی
ہے کیونکہ حضور کے قول کو تو قال کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جس سے
روایت کی انتہاء آپ کے کلام پر ہوتی ہے لیکن آپ کے فعل کے
بیان کی انتہاء تو بہر حال صحابی ہی کے قول پر ہو سکتی ہے اسمیں
آپ کے قول کے ذکر کے کوئی معنی نہیں۔ ورنہ وہ فعل نہ رہے
قول ہو جائے۔ اس لئے کسی فعلی حدیث کے مرفوع ہونے کے یہی
معنی ہو سکتے ہیں کہ گو قول تو صحابی کا ہو مگر روایت کی انتہا آپ کے
فعل پر ہو جو حدیث کے مرفوع ہونے کی شان ہے اس لئے اس
سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ حدیث نبوی سے آپ کی ریش
مبارک کے کم از کم مقدار قبضہ ہونے کا ثبوت ہو گیا۔

مقدار قبضہ کے بارے میں صریح حدیث

اور اگر عمرو بن شعیب کی
اس حدیث کو صاحب تنویر شارح شرعۃ الاسلام کی نقل سے لیا
جائے جن کے معتبر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ صاحب
مرقاۃ ملا علی قاری وغیرہ ان کے اقوال سے فقہیات اور
روایات حدیث کے بارہ میں (حجت پکڑتے ہیں) تو مقدار قبضہ

Marfat.com

خود حدیث مرفوع ہی سے صراحتاً ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ ان کی
روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عمرو بن شعیب	عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ نبی
انّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی کو طول
کان یاخذ من لحیتہ	وعرض سے تراشتے تھے مقدار قبضہ
طولاً وعرضاً علی قدر	کی حد تک۔ یعنی مقدار قبضہ
القبضۃ شرح شرعۃ الاسلام	رکھتے تھے۔ اس سے زائد حصہ
۲۹۸	اس پر بڑھ جاتا تھا تراش دیتے

تھے تو مقدار قبضہ باقی رہجاتی تھی۔ بہرحال ایک آیت اور دو
روایتوں کے الفاظ وعبارت سے بطور استنباط مقدار قبضہ
کا فعل نبوی ہونا ثابت ہو گیا۔

مقدار قبضہ کا ثبوت سنت صحابہ سے

اس فعل نبوی کی تائید فعل صحابہ سے ہوتی
ہے جس کے ضمن میں مقدار قبضہ کا سنت صحابہ ہونا بھی ثابت ہو
جاتا ہے جو خود بھی بجائے خود ایک مستقل دلیل اور مضبوط ثبوت ہے
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی سنتوں کی تشخیص سب سے زیادہ
حضرات صحابہ ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے جیسا کہ خود انہی کے اقوال

Marfat.com

ان سنتوں کا ثبوت بھی موقوف ہے اور وہی ان کے ہم تک پہنچانے کے اصل مدار ہیں۔ ان صحابہ میں سب سے زیادہ سنن نبوی کے گرویدہ اور فنافی الاتباع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی غالب شان ہی اتباع سنت ہے۔ سو کتاب الآثار میں امام محمد بن حسن شیبانی امام ابی حنیفہ سے اور وہ ہیثم ابن ہیثم سے اور وہ عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

انہ کان یقبض علی لحیتہ	عبداللہ ابن عمر اپنی ڈاڑھی کی مٹھی
ثم یقص ما تحت القبضۃ	بھر لیتے تھے اور پھر اس مٹھی میں آئے
(رواہ ابوداؤد ونسائی نحوہ)	ہوئے حصہ سے نچلا حصہ کاٹ دیتے

تھے (اس کے ہم معنی ابوداؤد ونسائی نے بھی روایت کیا ہے)

ظاہر ہے کہ اول تو ابن عمر جیسے فانی فی الاتباع اور گرویدہ اتباع سنت سے یہ بعید ہے کہ وہ اس مقدار کے بارہ میں اتباع سنت سے کام نہ لیتے ہوں پھر جبکہ ڈاڑھی رکھنے کی حدیث یعنی احفوا الشوارب واعفوا اللحی (مونچھیں پست کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ) کے راوی بھی خود عبداللہ ابن عمر ہی ہیں تو اس سے صرف یہی واضح نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک ڈاڑھی تراشنے کی حد مقدار قبضہ تھی اور ڈاڑھی کی اس مقدار کا ان کے نزدیک باقی رکھنا ضروری تھا بلکہ غور کیا جائے

Marfat.com

تو ان کا یہ فعل حدیث مرفوع کا بیان بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی راو
پیغمبر کے کسی فعل کو علی الاطلاق روایت کرے جس میں کوئی قید مذکور نہ
اور پھر اس کے اتباع میں جب خود عمل کرنے پر آئے تو حدود و قیود کی
رکھ کر عمل کرے تو یہ اسی کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کے نزدیک پیغمبر
فعل میں بھی یہ قید ملحوظ تھی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ پیغمبر کے کسی فعل پر جو بلا قید
و شرط ثابت ہو کوئی صحابی اور وہ بھی ابن عمر جیسا فانی فی الاتباع صحابی اپنی
طرف سے کسی قید کا اضافہ کر دے۔ پس عبداللہ ابن عمرؓ کے اس فعل سے
کہ وہ مقدار قبضہ سے زائد ڈاڑھی کٹوا دیتے تھے مقدار قبضہ کا ان کی سنت
تو صراحتاً ثابت ہوتا ہی ہے خود حضور کی سنت ہونا بھی دلالتاً ثابت ہو
جاتا ہے ورنہ از خود محض اختراعی طور پر فعل نبوی میں کسی قید کا اضافہ ابن
عمر رضی اللہ عنہ کی جرأت نہیں ہو سکتا تھا اس سے صاف طور پر نمایاں ہو جا
ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ جیسے ڈاڑھی رکھنے اور بڑھانے میں حضور کے تتبع تھے
ایسے ہی وہ ڈاڑھی کی مقدار قبضہ کے بارہ میں بھی حضور ہی کے تتبع تھے او
یہ مقدار خود ان کی اختراع کردہ نہیں تھی اگر حضور کو اس عمل پر نہ دیکھتے تو اسے
اپنی سنت نہ ٹھہراتے۔ پس اور بھی کچھ نہیں تو کم از کم اس حدیث کی رو سے
مقدار قبضہ کا سنت صحابی ہونا تو بلا شک و شبہ ثابت ہو جاتا ہے اور وہ
سنت ابن عمرؓ جن کا اتباع نبوی میں راسخ القدم ہونا معروف اور مسلم ہے

Marfat.com

ادھر یہی سنت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی ثابت ہوتی ہے جس کو ابن عمر کی سنت کے بعد سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں نقل کیا ہے۔

رُوِیَ عن ابی هُریرة ایضًا	ابو ہریرہ سے بھی یہی روایت کیا گیا
انّہٗ کان یقبض علی	ہے کہ وہ ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر جو
لحیتہ فیاخذ ما فضل	اس سے زائد ہوتی اسے کاٹ
عن القبضۃ۔	دیتے تھے۔

یہاں بھی وہی ابن عمر کی سی صورت حال ہے کہ خود یہی ابو ہریرہ حدیث فطرۃ کے بھی راوی ہیں جس میں ڈاڑھی بڑھانا منقول ہے اور خود انہی کا عمل مقدار قبضہ کبھی ثابت کر رہا ہے تو اس کے سوا اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حدیث فطرۃ میں جو ڈاڑھی بڑھانا ضروری قرار دیا گیا تھا تو گو قبضہ کی قید اس میں مذکور نہ تھی مگر جبکہ اس روایت کے راوی ڈاڑھی تراشنے میں مقدار قبضہ کی حد سے ایک انچ آگے پیچھے نہیں ہوتے تھے تو یہ اسی کی دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ قید اس حدیث میں بھی ضرور ملحوظ تھی یا انھوں نے حضور کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مقدار قبضہ کا پابند دیکھا تو وہ جان گئے کہ ڈاڑھی بڑھانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ کم از کم مقدار قبضہ کی حد تک ضرور پہنچی ہوئی ہو گویا مقدار قبضہ کا یہ عمل ان کے نزدیک فعل نبوی ہی تھا جس کی وہ اقتداء

Marfat.com

فرماتے تھے ورنہ وہ اس عمل کو اپنی سنّت و عادۃ نہ ٹھہراتے۔ پس اس سے بھی اس مقدار قُبضہ کا سنّت نبوی اور سنّت صحابی دونوں ہونا ثابت ہو گیا اور قبضہ کے بارہ میں صحابی کا یہ عمل گویا حدیث نبوی کا بیان ہو گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عمل میں ابن عمرؓ منفرد نہیں تھے، بلکہ دوسرے صحابہ بھی ان کے ساتھ شامل تھے جس سے دورِ صحابہ میں اس سنّت کے معمول بہ اور مروّج ہونے کا کھلا ثبوت ملتا ہے جو خود اس کی ایک مستقل دلیل ہے کہ ان مقدسین کے اس عام عمل کا ماخذ سنّت نبوی تھی ورنہ صحابہ میں بے دھڑک یہ سنّت اتنی رائج نہ ہوتی لیکن اگر اس سنّت کو صرف صحابہ کی سنّت مان لیا جائے اور اسے حدیث نبوی کا بیان نہ ٹھہرایا جائے تب بھی اس کے واجب الاطاعت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ سنن صحابہ کی اقتداء کا حکم خود حدیث نبوی میں دیا گیا ہے اور بایں لحاظ ان کی اقتداء بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء ہوگی۔ ورنہ آپ ان کی اقتداء کا حکم دے کر معاذ اللہ اپنی سنّت و شریعت کے متوازی کوئی دوسری شریعت قائم نہیں فرما رہے تھے پس سنن صحابہ درحقیقت سنن نبوی ہیں جن کا ظہور مظاہر صحابیت میں ہو رہا ہے ارشاد نبوی ہے۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے

Marfat.com

بہرحال مقدار قبضہ کا مسئلہ سنت نبوی سے ثابت ہو یا سنت صحابہ سے ہمارے لئے بہر دو صورت حجت ہے اور دونوں ہی سنتیں واجب الاتباع ہیں پس جو داڑھی کی جو مقدار انبیاء سابقین سے بذریعۂ کتاب اللہ مفہوم ہوئی وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی ثابت ہوئی اور وہی سنت صحابہ سے بھی نمایاں ہوئی اس مقدار سے ڈاڑھی کا کم ہونا کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہوتا تو یہ سب امور اس مقدار خاص (یکمشت) کے ثابت شدہ ہونے کے پختہ دلائل ہیں جن سے مقدار قبضہ کا قطعی ثبوت ہو جاتا ہے۔

ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں اُمت کا عمل اور فقہاء کی تصریحات

فقہائے اُمت کے نزدیک ڈاڑھی کی مقدار یکمشت سے کم جائز نہیں

آگے اُمت کا تعامل دیکھا جائے تو وہ بھی مقدار قبضہ کی پیروی میں اتنی عمومیت کے ساتھ ہے کہ اگر اس پر اجماع امت کا لفظ اطلاق کر دیا جائے تو بے محل نہیں ہوگا چنانچہ شیخ ابن ہمام نے یہ دعویٰ

کہا ہے کہ

واما الاخذ منها وهی دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد	لیکن ڈاڑھی کا کاٹنا جبکہ وہ مقدار قبضہ سے کم ہو جیساکہ بعض مغربی لوگ اور مخنث قسم کے انسان یہ حرکت کرتے ہیں تو اسے کسی نے بھی مباح نہیں قرار دیا۔

یعنی تمام فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ ڈاڑھی کا مقدار قبضہ سے کم کرنا جائز نہیں اور یہ اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے اس کے وجوب کی۔ لیکن اس مقدار کا وجوب صریح طور پر بھی کلام فقہاء میں موجود ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے کلام سے مقدار قبضہ کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے اور وجوب پر روشنی نہیں پڑتی اس کی توجیہ ثابت بالسنۃ سے کیا جانا اس کی واضح دلیل ہے کہ فقہاء ڈاڑھی کی مقدار قبضہ کے بارہ میں وجوب سے کم پر راضی نہیں ہیں۔

پس جن لوگوں نے مقدار قبضہ کو سنت کہہ دیا تھا تو وجوب ثابت کرنے والے فقہاء کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں سنت سے اصطلاحی سنت مراد نہیں بلکہ بمعنی حدیث ہے جس سے اس مقدار کا ثبوت ہو رہا ہے اور یہ ثبوت بطور وجوب کے ہی نہ بطور

Marfat.com

سُنّت کے جیسا کہ دوسرے دلائل سے واضح ہوا پس یہ توجیہ محض اس لئے کی گئی ہے کہ مقدار قبضہ کے وجوب پر کوئی اثر نہ پڑے بلکہ غور کیا جائے تو یہ توجیہ خود بھی اس کے وجوب کی ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے اوّل تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مقدار حدیث سے ثابت ہے اور دوسرے یہ کہ یہ ثبوت جب اس کی سُنّت کا نہیں تو یقیناً وجوب کا ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔

پھر صاحب درمختار نے بھی مقدار قبضہ کے بارہ میں تقریباً وہی تعبیر اختیار کی ہے جو شیخ ابن ہمام کی تھی جس سے یہ مقدار عامّہ سلف و خلف کی مسلمہ عمومی اور اجماعی مقدار ثابت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا۔

الحاصل ان عامة الكتب على ان القدر المسنون هو القبضة ولا بأس بتركها ما فوقها۔ ولكن الاخذ (بما زاد على القبضة) اولى وكذا اجابني بعض علماء مكة حين سألته عن

حاصل یہ ہے کہ عامّہ کتب اس پر شاہد ہیں کہ قدر مسنون (و قدر واجب) ڈاڑھی میں مقدار یکمشت ہے۔ اس سے زائد کے چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اولیٰ یہی ہے کہ مقدار یکمشت سے زائد ہو تو اسے قطع کر دیا جائے۔ یہی جواب مجھے بعض علماء مکہ نے بھی دیا جب میں نے

Marfat.com

ھٰذا المسئلۃ ۔ ان سے ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں سوال کیا۔

پس جبکہ قدر مسنون کے متنی قدر واجب مگر ثابت بالحدیث کے کیے لیے گئے ہیں (اور اس لئے لیے گئے ہیں کہ مقدار قبضہ کا وجوب حضور کی قولی اور فعلی حدیثوں کے ملانے سے ثابت شدہ ہے کیونکہ قولی حدیثوں میں انہی امور کو صیغہ امر واجب ٹھہرایا گیا ہے جن کو فعلی حدیثوں میں کر کے دکھایا گیا ہے گویا فعلی حدیثیں ان قولیات ہی کی عملی تفسیریں ہیں) تو درمختار کی اس عبارت سے جہاں مقدار قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے وہیں اس پر عامۂ کتب کا اجماع بھی ثابت ہوتا ہے

بہرحال کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنت انبیاء سابقین سنت صحابہ اور سنت فقہاء سے ڈاڑھی کی مقدار قبضہ (یکمشت) کا ثبوت واضح طریق پر مل جاتا ہے اور یہ کہ ڈاڑھی کا اس مقدار سے کم کرنا امت میں کسی نے بھی مباح و حلال قرار نہیں دیا۔

شکیوں کے شبہات

مقدار قبضہ پر شبہ کی مفصل تقریر

ان شرعی تصریحات کے بعد ممکن ہے کہ

Marfat.com

یہ سوال ذہنوں میں کھٹکے کہ ان آیات و روایات سے مقدار قبضہ کا وجود تو ثابت ہو جاتا ہے مگر وجوب ثابت نہیں ہوتا جس کی پابندی ضروری اور لازمی ہے۔ گویا ہم اس مقدار کو مشروع تو مان لیں گے جبکہ وہ سنت سے ثابت ہے مگر وجوب کی حد تک نہیں بلکہ صرف ثبوت کی حد تک کیونکہ ہر ثابت بالسنہ کا واجب ہونا ضروری نہیں آخر سنن و مستحبات بھی تو کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتے ہیں مگر واجب نہیں ہوتے پس ہم اس مقدار قبضہ کو زیادہ سے زیادہ مسنون مان لینگے واجب تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر علماء کی رعایت سے اسے واجب کہنے تک بھی ہم اتر آئیں تو صرف استنباط کی حد تک جو علماء کا ایک فعل ہے کہ انہوں نے ان آیا و روایات سے اخذ کر لیا سو یہ انکا لگایا ہوا ایک حکم ہے نہ کہ نصوص شرعیہ کا لگا ہوا حکم ہے کہ اسے ایجاب کی حد تک مانا جاوے اندریں صورت یہ ایک ظنی وجوب ہوگا تحقیقی نہ ہوگا جس کا صریحی ثبوت کتاب و سنت کی کسی نص میں موجود نہیں حاصل یہ کہ کتاب و سنت سے مقدار قبضہ کا حکم تو نکلتا ہے مگر صفت حکم یعنی وجوب نہیں نکلتا۔ شیخ ابن ہمام نے یہ ضرور کہا ہے کہ "فلم یبحہ احد" (مقدار قبضہ سے کم ڈاڑھی رکھنا کسی نے مباح و حلال قرار نہیں دیا) مگر وجوب کا ایک عنوان ہے یا درمختار وغیرہ میں مقدار قبضہ کی

Marfat.com

سُنّت ہونے کے قول کی تاویل ثابت بالسنۃ سے ضرور کی گئی ہے جو بظاہر اس کے وجوب کی طرف اشارہ ہے وغیرہ وغیرہ مگر وہ علماء کی رائے اور ان کے استنباطات ہیں۔ جو مقدار قبضہ کے کسی صریح امر کی بناء پر نہیں بلکہ عملی روایات سے اخذ کردہ ہیں اور یہ ان کی رائے کا درجہ ہے نہ کہ شرعی حکم کا پس مقدار قبضہ کے واجب ہونے کی نہ کتاب وسُنّت میں کہیں نص صریح ہے نہ اس کا کوئی امر صریح ہے کہ ہم اُسے واجب ماننے پر مجبور ہوں اور اس کے ترک پر اپنے کو گنہگار کہنے لگیں۔ بناء بریں ہم علماء کے ان استنباطات کا احترام کرتے ہوئے مقدار قبضہ کو مستحسن ضرور سمجھیں گے لیکن واجب تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ حاصل ہے ان شکوک وشبہات کا جو مقدار قبضہ کے وجوب کے بارہ میں کئے جاتے ہیں۔

جواب کی تفصیل

روایات قبضہ وجوب قبضہ ثابت کرنے کیلئے نہیں آئیں زائد از قبضہ وجوب اُٹھانے کے لئے آئی ہیں	جواباً گذارش ہے کہ احقر کے نزدیک مقدار قبضہ کے بارہ

Marfat.com

وہیں وجوب کا یہ سوال ہی مہمل اور لایعنی ہے مقدار قبضہ کی یہ روایات ڈاڑھی میں اس مقدار کو واجب بتلانے کے لئے آئی ہی کب ہیں کہ ان میں اس مقدار کے وجوب کی تلاش کیا جائے بلکہ غور کیا جائے تو یہ روایتیں ڈاڑھی میں سے وجوب کو ساقط کرنے کے لئے آئی ہیں کیونکہ ڈاڑھی بڑھانے کا وجوب (جس میں پوری ڈاڑھی کے ضمن میں مقدار قبضہ بھی داخل ہے) احادیث خمسہ سے ثابت شدہ ہے جن میں اعفوا اللحی وغیرہ کے صیغوں سے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور بڑھی ہوئی ڈاڑھی میں مقدار قبضہ ضرور داخل ہے بلکہ اول یہی مقدار آتی ہے ثانیاً وہ مقدار شامل ہو گی جو مقدار قبضہ سے زائد حصہ ہے۔ جہاں تک بھی ڈاڑھی بڑھتی چلی جائے۔ پس جبکہ مقدار قبضہ کا وجوب مع شئی زائد ان احادیث إعفاء و إرخاء وغیرہ سے ثابت شدہ ہے تو ان قبضہ والی روایات میں اس کا وجوب تلاش کرنا تحصیل حاصل کے سوا اور کیا ہو گا؟ پس مقدار قبضہ کی یہ روایتیں محض قبضہ کی مقدار کو متعین اور مشخص کرنے کے لئے آئی ہیں اسکا وجوب بتلانے کے لئے نہیں آئیں کہ وہ دوسری روایات (روایات خمسہ إعفاء و إحفاء وغیرہ) سے ثابت شدہ ہے۔

بلکہ اگر مزید غور کیا جائے تو یہ روایات قبضہ ڈاڑھی کی کسی مقدار میں وجوب ثابت کرنے کی بجائے اس میں سے ایک حد تک وجوب کو اٹھانے

Marfat.com

اور ساقط کر دینے کے لئے آئی ہیں کیونکہ اعفوا اللحی وغیرہ روایات سے مطلقاً ڈاڑھی بڑھانا واجب ثابت ہوا تھا جس میں کسی معین مقدار کی قید نہ تھی اور وجوب سے ڈاڑھی کا کوئی حصہ مستثنیٰ نہ تھا۔ مقدار قبضہ کی روایات نے بتلایا کہ زائد از قبضہ ڈاڑھی میں سے کاٹ دینا جائز ہے اس کا رکھنا واجب نہیں تو اس کے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہوئے کہ زائد از قبضہ کا بڑھانا واجب نہیں صرف مباح یا مستحب کے درجہ میں ہے۔ پس اعفوا اللحی کے امر سے ڈاڑھی بڑھانے کا جو وجوب اس کے سارے حصوں پر چھایا ہوا تھا وہ زائد از قبضہ سے اٹھ گیا یعنی مقدار قبضہ کو باقی رکھ کر (جو پہلے سے واجب تھی) باقی ماندہ حصہ بڑھانا وجوب سے مستثنیٰ ہو گیا۔ اور اس حد تک کہ اس حصہ کو کٹوا کر آدمی سنت نبوی اور سنت کی پیروی کا اجر و ثواب بھی حاصل کر سکتا ہے۔ پس مقدار قبضہ کی روایتوں نے قبضہ سے زائد حصہ کا وجوب رفع کیا ہے نہ کہ مقدار قبضہ میں وجوب پیدا کیا ہے کہ یہ وجوب تو مقدار قبضہ اور اس سے زائد حصہ میں پہلے ہی سے موجود تھا اس لئے مقدار قبضہ کی روایات میں اس مقدار کا وجوب تلاش کرنا یا تحصیل حاصل ہے یا زائد از ضرورت نا واقفی کی دلیل ہے۔

فقہاء کے اقوال مقدار قبضہ کے لئے موجب نہیں مظہر وجوب ہیں	۵۔ حضرات فقہاء کا مقدار قبضہ کو بیان

کرتے ہوئے اُسے واجب فرمانا اور اس سے کم ڈاڑھی رکھنے کو مباح وحلال نہ سمجھنا کسی نئے وجوب کا بیان نہیں ہے جو ان روایات قبضہ سے ثابت کیا جا رہا ہو بلکہ اس وجوب کا اعلان ہے جو احادیث خمسہ سے مقدار قبضہ اور اس سے زائد کے لئے ثابت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان روایات قبضہ سے صرف مقدار قبضہ کی حد تک وجوب رہ گیا ہے اس سے زائد حصہ سے اُٹھ گیا ہے۔ پس یہ بقاء وجوب کا بیان ہے حدوث وجوب کا بیان نہیں۔ اندریں صورت جو لوگ مقدار قبضہ کے وجوب کے دلائل کسی مستقل امر و صریح عبارت سے مانگتے ہیں۔ وہ بظاہر دنیا کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ ڈاڑھی کی مقدار خاص کا بیان تو ان روایات قبضہ میں کیا گیا ہے اور ان میں کوئی صریح امر نہیں جو اس مقدار کو واجب بتلاتے صرف حضور کے فعل کا بیان کیا گیا ہے جس سے اس مقدار کا وجوب ثابت نہیں ہوتا تو ہم ڈاڑھی میں کسی مقدار کے پابند کیوں بنیں؟ ہمیں اختیار ہے کہ ڈاڑھی کم رکھیں یا زیادہ لیکن اس مغالطہ کی قلعی ہمارے مذکورہ بیان سے کھل جاتی ہے کہ ان روایات قبضہ کا یہ موضوع ہی کب ہے کہ وہ کسی مقدار کا وجوب بتلائیں وہ تو اس مقدار سے زائد کا وجوب ساقط کرنے کے لئے آئی ہیں نہ کہ اس مقدار کا وجوب بتلانے کے لئے خواہ اس مقدار کا ہو یا اس سے زائد حصہ وہ احادیث خمسہ سے ثابت

Marfat.com

ہو چکا ہے۔

حدیث فعلی سے بھی مقدار قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے

یہ دوسری بات ہے کہ ان روایات قبضہ سے بھی خود بخود اس مقدار (قبضہ) کا وجوب نکل آئے کیونکہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل (مقدار قبضہ قائم رکھنا) دوامی ثابت ہوتا ہے جیساکہ حدیث کے متن۔ کان یاخذ من لحیتہ من طولہا وعرضہا (حضور اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض میں سے کتر دیا کرتے تھے) میں لفظ کان اسی استمرار و دوام کی طرف مشیر ہے پھر حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بارہ میں بھی اس قسم کے الفاظ منقول ہیں جو استمرار و دوام پر دلالت کرتے ہیں پھر تعامل سلف وخلف بھی یہی ہے جو اہل علم وفضل اور اہل قبول ہیں تو ظاہر ہے کہ پیغمبر کا دوامی عمل جس پر مواظبت بلا ترک کی گئی ہو وجوب ہی کی علامت اور دلیل ہوتا ہے اوپر سے تعامل سلف خود ایک مستقل حجت ہے جو مزید برآں ہے اور جب یہ سب فعلی حجتیں ایک چیز پر جمع ہو جائیں تو ان فعلی روایتوں سے بھی وجوب ثابت ہو کر اس وجوب کی قوت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے غرض اس حدیث فعلی سے بھی مقدار قبضہ کا وجوب نکل آتا ہے۔ گویا مقدار قبضہ کا ایک وجوب تو احادیث

Marfat.com

خمسہ سے ثابت ہوا جس میں ڈاڑھی کی تطویل بلا تحدید کے واجب قرار دی گئی ہے جس میں مقدار قبضہ بھی داخل ہے اور دوسرا وجوب مقدار قبضہ کے دوام واستمرار سے ثابت ہوا مگر پہلے وجوب کے بارہ میں تو احادیث خمسہ صریح اور نص ہیں کیونکہ وہ بیان ہی کی گئی ہیں اثبات وجوب کے لئے اور دوسرے وجوب کے بارہ میں احادیث قبضہ نص نہیں کیونکہ وہ اس وجوب کے بیان کے لئے نہیں لائی گئیں بلکہ زائد از قبضہ سے وجوب اٹھانے کے لئے لائی گئی ہیں گو اس سے مقدار قبضہ کا وجوب بھی لازم آجاتا ہے غرض اس طرح مقدار قبضہ کا وجوب مطابقتاً والتزاماً دونوں طرح دو قسم کی روایتوں سے ثابت ہو گیا فللہ الحمد والمنۃ۔

مقدار قبضہ کے وجوب کا سوال کرنا مہمل سوال ہے

یعنی سوال ہی غلط ہے کہ مقدار قبضہ کے واجب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ سوال بروئے روایات حدیث یہ ہونا چاہئے کہ "ڈاڑھی بڑھانے کے وجوب سے آیا ڈاڑھی کا کوئی حصہ مستثنیٰ بھی ہے یا نہیں" یا علی الاطلاق ڈاڑھی بڑھانا ہی واجب ہے بس اسی دوسرے سوال کا جواب یہ روایات قبضہ ہیں کہ زائد از قبضہ حصہ وجوب سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے لہذا اسے کٹایا جا سکتا ہے۔

مقدار قبضہ کو نہ ماننے کا جسمی نقصان

پھر بھی اگر کوئی اس مقدار

Marfat.com

قبضہ کے واجب ہونے کو (جس کا وجوب سابقہ روایات سے ثابت شدہ ہے) محض اس لئے تسلیم نہ کرے کہ اس کا صریح امر بقید مقدار کہیں وارد نہیں ہوا جو اس کے وجوب پر دلالت کرے اور یہ روایات قبضہ محض فعلی سنتیں ہیں جن سے قبضہ کے وجوب پر استدلال نہیں کیا سکتا تو نہ تسلیم کرے اس میں کچھ اسی کا نقصان ہے روایت اور اس کے ماننے والوں کا کچھ نہیں کیونکہ اس انکار سے ڈاڑھی بڑھانے کے وجوب مطلق میں تو کوئی فرق نہیں پڑ سکتا کہ وہ تو دوسری روایات سے ثابت شدہ ہے البتہ خود اس منکر ہی کے حق میں اس کی مرضی کے خلاف ایک غم و غصہ کی صورت یہ ضرور پیدا ہو جائیگی کہ مقدار قبضہ کے انکار کا مفاد اس کے حق میں یہ نہیں نکلے گا کہ وہ ڈاڑھی کی مقدار میں آزاد ہو جائے کہ جتنی چاہے رکھ لے اور جتنی چاہے قلم کر دے یا سرے سے رکھنے نہ رکھنے میں مختار ہو جائے بلکہ یہ نکلے گا کہ اس پر بلا کسی حد بندی کے ڈاڑھی بڑھاتے چلا جانا واجب ہو جائے گا جسکے کسی حصہ کو بھی تراشنے کی اجازت نہ مل سکے گی کیونکہ جب اس کے نزدیک صرف قولی احادیث ہی اس باب میں حجت ہیں فعلی نہیں تو قولی حدیثیں جو پانچ صیغوں کے ساتھ ابتداء میں ہم نے پیش کی ہیں ان میں بلا کسی حد بندی ہی کے ڈاڑھی بڑھانے کا امر ہے اس صورت میں قبضہ کے منکر کو اپنی ڈاڑھی ناف تک بلکہ اس سے بھی نیچے جہاں تک وہ

جائے لیجانی پڑے گی اور طول وعرض میں وہ کتنی بھی بڑھے اور پھیلے اُسے بحال خود چھوڑ دینا پڑے گا اب وہ تمسخر کی آماجگاہ بنے جیساکہ طبری کا قول ہے یا احمق اور بے عقل ثابت ہو جیساکہ امام غزالی کا قول ہے کہ کلما طال اللحیۃ نقص العقل (ڈاڑھی بقدر واجب سے) جتنی زیادہ لمبی ہوتی جائے گی اتنی ہی عقل ناقص ہوتی چلی جائے گی) پس روایات قبضہ نے تو ڈاڑھیوں کی زیبائش قائم رکھنے کے لئے امت پر احسان کیا تھا کہ ایک حد اعتدال تجویز کر کے اس سے زائد کو تراش دینے کی اجازت دیدی تھی تاکہ آدمی نہ دراز ریش بنکر بے عقل اور بھکڑوں کے تمسخر کی آماجگاہ بنے نہ کوتاہ ریش بنکر عورتوں اور مخنثوں کے مشابہ ہو اور اس طرح اس کا فطری حسن ہیئت اور چہرہ کا وقار و تمکنت قائم رہے۔ لیکن جب نا قدرے لوگ ہیئتہ کی اس خوبصورتی اور فطری حد بندی کو مانتے ہی نہیں تو انہیں رائے کی آزادی کے بجائے ڈاڑھی کی آزادی صلہ میں ملی گی کہ وہ ان کی رائے کے خلاف جدھر کو بھی جائے بڑھتی چلی جائے گی انہیں اس کے روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ خواہ وہ طویل اللحیہ ہو کر احمق ثابت ہوں، یا قصیر اللحیہ ہو کر مخنث کہلائے جائیں۔ پس مقدار قبضہ کی روایات کے انکار کے بعد احادیث قولیہ اپنے

Marfat.com

اخلاق کے ساتھ اس کے سر آپڑیں گی جن میں قبضہ چھوڑنا بھی حد قطع ثابت نہ ہوگی۔ پھر اس سے تو یہی بہتر ہے کہ قبضہ ہی کی مقدار کو واجب تسلیم کر لیا جائے۔ اور بقیہ کو غیر واجب مان کر اس کی تراشنے نہ تراشنے میں آزاد رہا جائے تاکہ یہ دونوں بد زیبیاں سر نہ پڑیں اور ادھر اس درمیانی صورت سے عدل و اعتدال حدود کا رشتہ ہی ہاتھ سے نہ جائے بالخصوص جبکہ یہ مقدار واجب سنّت انبیاء سنّت خاتم الانبیاء سنّت صحابہ سنّت فقہاء و علماء اور سنّت اولیاء و صلحاء بھی ثابت ہو چکی ہے اور وہ بھی ایسی ہمیشگی اور دوام کے ساتھ کہ اس میں کبھی احیاناً بھی ترک واقع نہیں ہوا جو یقیناً سنّت سے آگے بڑھ کر وجوب عمل کی دلیل ہوتی ہے اس صورت کے ہوتے ہوئے تو انکار قبضہ سر تا سر خسارہ اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے کہ نہ صورت بنتی ہے نہ عاقبت ہی درست ہوتی ہے اس صورت میں تو اگر مقدار قبضہ بقول منکرین کے محض سنّت یا مستحب ہی ثابت ہو تب بھی اسے ہاتھ سے نہ دینا چاہیے کیونکہ درصورت سنّیت ڈاڑھی بڑھانے والوں کے لئے تو کچھ بھی نقصان نہیں کہ وہ سنّت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں مگر ڈاڑھی پست کرانے والوں کے لئے مصیبت ہے کہ وہ اس سنّت کو چھوڑ کر واجب میں گھر جائیں گے اور اس میں کبھی

Marfat.com

مقدار کا تعین نہیں تو ڈاڑھی بے حد لانبی کرنی پڑے گی جسے وہ برداشت نہ کر سکیں گے بہرحال ڈاڑھی کے ساتھ مقدار قبضہ کا فطرۃً سنت معقول اور منقول ہونا بھی ثابت ہو گیا اور ساتھ ہی اس کا وجوب و لزوم بھی نمایاں ہو گیا یعنی ڈاڑھی بڑھانے کا وجوب احادیث خمسہ سے ثابت ہوا جن میں مقدار قبضہ بھی شامل ہے اور اس مقدار سے زائد ڈاڑھی گھٹانے کا اختیار ان احادیث فعلیہ سے ثابت ہو گیا۔

تقاضائے عشق و محبت

عشق محمدی کا تقاضا ڈاڑھی رکھنا ہے منڈانا نہیں ہے

آخر میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جاتا کہ واجب و فرض اور سنت کی بحث اپنی جگہ صحیح لیکن یہ سب چیزیں استدلالی ہیں گرویدگان بارگاہ نبوت کے لئے جنونوں کی یہ کاوشیں درکار نہیں ان کے لئے تو صرف اتنی بحث کافی ہے کہ یہ فعل محبوب دوعالم نے انجام دیا ہے اور فلاں فعل سے اجتناب فرمایا ہے ۔ اس فعل و اجتناب کی استدلالی نوعیت کچھ بھی ہو اور صفت حکم وجوب ہو یا سنت و مستحب عاشق کا مذہب تو یہ ہے کہ

جو آپ سے ثابت ہے وہ طاعت ہے اور جس سے آپ کا احتراز ثابت ہے وہ معصیت ہے استدلالیوں کے لئے یقیناً معصیت یہی ہے کہ اس سے صراحتہً روکا گیا ہو لیکن عشاق کے نزدیک معصیت یہ ہے کہ اس سے ان کے عشق پرور دل میں کھٹک پیدا ہوتی ہو عاقل کے نزدیک طاعۃ و معصیت افعال ہیں لیکن عاشق کے نزدیک جذبات و اخلاق ہیں وہاں گنہگاروں سے کہا گیا ہے کہ جو برا فعل کرے وہ گنہگار رہے۔

يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ (جو جہالت سے بری حرکت کرے وہ گنہگار ہے)

مگر عشاق سے کہا گیا ہے کہ الاثم ما حاك في صدرك (جو تمہارے سینہ میں کھٹک پیدا کرے (وہی گناہ ہے) پس وہاں تو حرکات و سکنات پر نیکی و بدی کا حکم لگتا ہے اور یہاں خیالات پر۔ وہاں عملی دنیا پر حکم لگے گا اور یہاں فکری و جذباتی دنیا پر۔ پس استدلالیوں کے یہاں فتویٰ مفتی سے لیا جائے گا لیکن عشاق کے یہاں فتویٰ خود اپنے ضمیر سے طلب کیا جائے گا۔

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَاِنْ اَفْتَاكَ المفتون۔ اپنے دل سے فتویٰ پوچھو مفتی کچھ بھی فتویٰ دے۔

عقلاء تو قضاءً ہی گنہگار رہوں گے اور یہ عشاق دیانتاً بھی عاصی

ٹھیریں گے ان کے یہاں شرعی گنجائشیں یعنی رخصتیں مذہب ہوں گی اور ان کے یہاں محبوب دو عالم کی زندگی یعنی عزیمتیں مذہب ہوں گی۔ پس اس اصول پر جبکہ ڈاڑھی شعار محبوب ثابت ہوئی اور مقدار قبضہ بھی اسی کے ساتھ لگی ہوئی ثابت ہوگئی تو اس کے ثبوت کا استدلالی مرتبہ کچھ بھی ہو اور اس کی صفت حکم واجب و فرض یا سنت و مستحب کوئی بھی ہو عاشق کے اتباع و پیروی کے لئے مطلقاً فعل محبوب ثابت ہو جانا ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگرچہ مفتی اسے سنت بھی کہے تب بھی عاشق اسے فرض ہی کہے گا۔

عملی زندگی کا نقشہ سنت و مستحب تک کو عملی فرض بنا لینے سے بنتا ہے اسکے مراتب کا فرق نکالنے سے نہیں بنتا

علاوہ ازیں سنت و مستحب اور واجب و فرض کی اصطلاحیں عمل کرانے کے لئے نہیں ہیں بلکہ حکم کا مرتبہ بتلانے کے لئے ہیں جن کا اثر حکم سے انکار یا پہلو تہی کے موقعہ پر ظاہر ہوتا ہے نہ کہ عمل پر آمادگی کے موقعہ پر۔ پس عملی طور پر جب تک مستحبات کو عملی فرض اور عملی واجب نہ سمجھ لیا جائے عملی زندگی کا نقشہ ہی نہیں بن سکتا بنا بریں عمل کے لئے عاقل ہونا ضروری نہیں مگر عاشق ہونا

Marfat.com

از بس ضروری ہے لیکن دعوائے عشق کے بعد عمل کے میدان میں افعال نبوی اور احکام رسالت کے مراتب فعلیت دریافت کرنا اس دعویٰ کی تکذیب اور قلت محبت کی دلیل ہوگا۔ جو عشاق کے مذہب میں خود ایک معصیت ہے۔

عشاق کے حق میں ڈاڑھی بڑھانے کیلئے ضمیر کی آواز بھی کافی ہے

غرض محبت کے دائرہ میں ترک معصیت ضمیر کی آواز سے

ہوتا ہے قانون سے نہیں ہوتا۔ کسی چور کو نہیں دیکھا گیا کہ اس نے تعزیرات ہند کی دفعات ٹٹول ٹٹول کر اور وکلا سے ممنوعات قانون کے مراتب ممنوعیت پوچھ پوچھ کر چوری سے توبہ کی ہو بلکہ جب بھی کی ہے ضمیر کی آواز پر ہی کی ہے۔ بنا بریں اس ناکارہ کے خیال ناقص میں محبان بارگاہ نبوت اور عشاق باطن بالخصوص سلسلۂ بیعت وارشاد کے افراد کی جن کی زندگی سراپا عمل و پیروی ہوتی ہے ان قانونی موشگافیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ڈاڑھی اور اس کی مقدار کے لئے محض ثبوت کافی ہے وجوب کی ضرورت نہیں اور جذبات عشق کے بعد ضمیر کی آواز کافی ہے مفتی کے فتویٰ اور واجب و سنت کی تنقیح کی حاجت نہیں۔ لیکن جب وجوب بھی موجود ہو اور مفتی کا فتویٰ بھی تب تو ان عشاق کے لئے ریش

Marfat.com

راشی ڈبل معصیت ثابت ہوگی:-

بہر حال ڈاڑھی اور اس کی مقدار واجب (مٹھی بھر) کو ترک کرنا نصاً بھی معصیت ہے کہ واجب کی خلاف ورزی ہے۔ دیانتاً بھی معصیت ہے کہ خلاف استحسان ہے ذوقاً اور وجداناً بھی معصیت ہے کہ دعوائے محبت کے منافی اور شئون محبوب کی خلاف ورزی ہے اور فطرۃً بھی معصیت ہے کہ سنت بشری کے خلاف ہے اور اس لئے بھی معصیت ہے کہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ایک عمل ہے۔

ڈاڑھی کو شرعاً مستحسن سمجھتے ہوئے ترک کرنا ذوقاً ہی نہیں استدلالاً بھی معصیت ہے

اور جبکہ ڈاڑھی رکھنے کا استحسان شرعی طور پر کسی درجہ میں بھی دل میں موجود ہو (اور کون مرد مومن ہے کہ ایسی شرعی تصریحات کے بعد اس کے دل میں ڈاڑھی رکھنے کا کم از کم استحسان دل میں نہ ہو تو قدرتی طور پر ڈاڑھی نہ رکھنے کی برائی بھی اس کے دل میں ضرور موجود ہوگی۔ ورنہ ایمان ہی کی خیر منانی پڑیگی) تو ایسی صورت میں ذوقاً ہی نہیں استدلالاً بھی اسکے لئے داڑھی کا چھٹ کرانا روا نہ ہوگا کہ داڑھی کا یہ ترک سراسر ایک ایسی برائی کا ارتکاب ہوگا جسے ایمانی دل محسوس کر رہا ہوگا اور اتنی بات بھی ترک داڑھی کے معصیت ہونے کے لئے کافی ہے جس پر ضمیر گواہ ہوگا۔

Marfat.com

وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

تم سے حساب لیں گے پھر جس کو چاہیں بخشیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔

منکرین داڑھی کی حیلہ جوئیوں کے مختلف ڈھنگ

شبہات کی نوعیت

جہاں تک اثبات مسئلہ کا تعلق تھا وہاں تک قرآنی حدیثی فقہی اور عشقی و ذوقی مواد سے مسئلہ کا تحقیقی پہلو واضح ہو چکا ہے اس کے بعد اعتراضات، تاویلات اور الزامات کی کوئی اہمیت اور وقعت باقی نہیں رہتی کہ ان پر توجہ کی جائے۔ تاہم کسی مسئلہ کے تحقیقی پہلو کے ساتھ جب تک الزامی نقشوں کو بھی سامنے نہ لایا جائے اس وقت تک عادۃً اور عرفاً مسئلہ مکمل نہیں سمجھا جاتا اور کہدیا جاتا ہے کہ مسئلہ تو ثابت ہو گیا مگر شکوک قائم رہ گئے۔ اس لئے اس مسئلہ کے بارہ میں منکروں کی طرف سے حیلہ تراشیوں کے جس قدر ڈھنگ ہمارے علم میں آسکے یا تحریراً موصول ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ اجمالی طور پر انہیں بھی سامنے رکھدیں

Marfat.com

ناظرین اس مسئلہ کے تحقیقی پہلو اور اس کے استدلالی وزن کو
سامنے رکھ کر ان حیلہ تراشیوں کی لغویت کو سمجھ لیں اور انھیں سطحی
سمجھ کر خود ہی نظرانداز کر دیں۔ ہم ناظرین کے ذوق سلیم کے حوالہ
کرتے ہوئے ان رویوں کو صرف سامنے لے آئیں گے ردّ و قدح
نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے خیال میں وہ قابل جواب یا قابل التفات
نہیں ہیں مسئلہ کی تحقیقی تقریر جو اس مقالہ میں پیش کر دی گئی ہے
وہی ان کی کافی تردید ہے۔

ڈاڑھی کے بارے میں اس مسئلہ سے اختلاف کرنے والوں نے
مختلف شکلیں اختیار کی ہیں بعض نے اعراض کی بعض نے تردید
بعض نے الزام تراشی کی اور بعض نے حیلہ سازی کی غرض مختلف
اندازوں سے اس مسئلہ کو بے اعتبار اور ناقابل عمل دکھلانے کی
سعی کی ہے۔

ع وللناس فیما یعشقون مذاہب۔

ڈاڑھی سے بچنے کے لئے گریز کا راستہ

بعض نے تو اس قانون (ڈاڑھی رکھنے) کی خلاف ورزی (ڈاڑھی منڈانے یا کترانے) کی
پختگی سے تم کر شرعی دلائل کو سرے سے نذر بے التفاتی کر دیا اور ایسے

ہو گئے جیسے اس بارہ میں کوئی شریعت ان کے لئے اتری ہی نہ تھی جس سے وہ تمسک کرتے اور عملاً اس کی طرف جھکتے۔ اور اس مصداق بن گئے

نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔	اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا کچھ جانتے ہی نہیں۔

اور جبکہ اس نوع نے کوئی فکری شبہ یا خیالی خلش پیش ہی نہیں کی تو اس پہ کلام ہی کیا کیا جائے؟

داڑھی سے بچنے کے لئے تاویلات کا راستہ

بعض نے اگر قانون اور دلائل کی طرف التفات بھی کیا تو التفات معکوس کیا یعنی اپنی بدعملی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ان شرعی دلائل میں رکیک تاویلات شروع کر دیں اور اپنی ہوائے نفس یارائے خالص کو محفوظ رکھ کر الٹا نصوص شرعیہ کو اپنے مقام سے ہٹانے اور ان کے معانی کو اپنی رایوں کے تابع بنا لینے کے درپے ہو گئے اور يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ کے مصداق بن کر رہ گئے۔ انہوں نے کتاب و سنت

Marfat.com

ور اس کی مستند تشریحات اور ماثور تفصیلات کو اپنے تخیلات فاسدہ کی تائید و تقویت کے لئے بطور حیلہ کا استعمال کیا تاکہ ان کے عمل پر اتباع کا پردہ بھی پڑا رہے اور اس پردہ کی آڑ میں وہ بلا روک ٹوک اپنی ہوائے نفس کی پیروی بھی کرتے رہیں اور دوسروں کو پیروی سنت کا یقین بھی دلاتے رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہوی اور ہدی میں جوڑ نہ لگ سکا تو ہوتے ہی ہوی رہ گئی اور ہدی ان سے رخصت ہوگئی۔ علم کی جگہ ظن نے لے لی اور فہم کا مقام وہم نے حاصل کرلیا جسے وہ اپنی خوش فہمی سے پھر بھی علم و فہم سمجھتے رہے گویا اسکے مصداق ہوگئے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ
أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ
مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ
مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ
عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ۔

اور اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ ہے
جو اپنی زبانوں کو کتاب اللہ کے ساتھ
رکھتی ہے تاکہ تم لوگ اسے کتاب اللہ کی
بات جانو حالانکہ وہ کتاب اللہ کی بات
نہیں ہوتی اور کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ
کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالی
کی جانب سے نہیں ہوتی۔ اور وہ لوگ اللہ پر
افترا پردازی کرتے ہیں اور جانتے بھی ہیں۔

Marfat.com

اس قسم کی رکیک تاویلات ہماری سابقہ تقریروں سے رد کی جا چکی ہیں۔ جو تمہید اور اصل مضمون میں گذر چکی ہیں۔

ڈاڑھی سے بچنے کے لئے حکم کی نوعیت میں بحثیں کھڑی کرنے کا حیلہ

بعض کو یہ جرآت نہ ہوئی یا ان میں اتنی قابلیت تو نہ تھی کہ وہ نصوص شرعیہ میں تاویل وتحریف کر کے اس کے اصلی مفہوم کو بالکل چھپا دیں یا در پردہ اس کا انکار کر سکیں تو انہوں نے دلائل شرعیہ کو اپنی جگہ رکھکر اور اس کے واقعی مفہوم کا اقرار کر کے حیلہ تراشیوں کی راہ اختیار کر لی۔ کسی نے تو حکم شرعی کو بحالہ قائم رکھ کر صفتِ حکم کی بحث چھیڑی کہ آیا ڈاڑھی رکھنا محض مباح ہے یا اولیٰ وافضل ہے مستحب وسنت ہے یا واجب وفرض؟ یہانتک بھی مضائقہ نہ تھا کہ فی الحقیقت ہر شرعی حکم ان صفات میں سے کسی نہ کسی صفت سے ضرور متصف ہوتا ہے لیکن غضب یہ کیا کہ ڈاڑھی کے حکم کی ان صفات استحباب، سنیت وجوب وغیرہ میں سے جو صفت بھی ان کے سامنے آئی اس سے اوپر کی صفت کا نام لیکر انہوں نے نچلی صفت کو ہلکا اور غیر اہم دکھلانے کی کوشش کی گویا وہ قابل عمل ہی نہیں یا ان کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی ہلکی صفت حکم کی پیروی کریں جب تک کہ آخری صفت قطعی

طور پر ان کے سامنے نہ آجاتے اور وہ انہیں استخفاف یا ہلکا پن بھی پیدا نہ کر سکیں جس کے یہ معنی ہوئے کہ ان کے نزدیک صفات حکم کا تفاوت اور فرق مراتب ختم ہو کر شریعت کے سارے احکام اگر ایک درجہ کی ہو جائیں اور وہ بھی صرف آخری درجہ کے یعنی سب کے سب احکام فرض ہی ہوں تب وہ عمل و تعمیل کے مسئلہ پہ غور کریں

چنانچہ ان کے سامنے اگر ڈاڑھی رکھنے کو مستحب کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ مستحب ہی تو ہے سنت تو نہیں کہ اس کی تعمیل کچھ ضروری ہو محض استحباب تو کوئی مجبور کن دلیل نہیں کہ اس کی پیروی ناگزیر ہو

اور اگر ان کے سامنے اس کی سنیت پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ "واجب کب ہے" اگر اس کی تعمیل لازمی ہو، واجب کے ترک پر تو مواخذہ اخروی کی دھمکی دی گئی ہے اس لئے وہ لازم العمل ہونا ہی سنت کا یہ مقام کب ہو کہ اسے لازم العمل سمجھا جاوے۔ اور جب وجوب پیش کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ کونسا فرض قطعی ہے کہ اس سے گریز ممکن ہی نہ ہو یا استخفاف کرنا معصیت ہو، یہ تو ظنی ہوتا ہے اور عمل میں اطمینان اور وثوق کیلئے قطعیت کی ضرورت ہوتی ہے حکم کے بارہ میں یقین چاہیے اور یہ صرف فرض کا حصہ ہے واجب کا نہیں۔

لیکن ایسے حیلہ جو افراد کے سامنے اگر ڈاڑھی کی فرضیت بھی

Marfat.com

پیش کر دیجاتے تو اس مسئلہ میں حیلہ تراشی کو دیکھتے ہوئے ان سے ہرگز بعید نہیں جو یہ کہدیں کہ یہ فرض بھی لیکن اس کے بارہ میں خدا نے براہ راست ہم پر تو کوئی صحیفہ نازل نہیں کی کہ وہ ضروری العمل ہو ہم ہی جیسے انسانوں کا بیچ میں واسطہ ہوتے ہوئے ہمیں اس کی فرضیت اور قطعیت ہی میں کلام ہے تو پھر ایسے بے چون وچرا کیسے تسلیم کر لیں؟ ماننے کے لیے یقین کی ٹھنڈک ضروری ہے اور وہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ خدا ہم کو بلا واسطہ خود کہا سنی فرمائے۔ چنانچہ اس قسم کے حیلہ جو منکروں نے ایک زمانہ میں یہی کہا بھی تھا جس کو قرآن نے نقل کیا ہے۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً	بلکہ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اسے کھلا ہوا صحیفہ دیا جائے۔

اور اگر کہیں ایسا بھی ہو جاتا کہ بالفرض محال ڈاڑھی کے بارہ میں ان پر کوئی صحیفہ ہی اتر آتا تو شاید وہ یہ کہتے کہ خدا کی آواز تو ہمارے کانوں نے سنی ہی نہیں پھر ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ صحیفہ خدا ہی نے ہم پر بھیجا ہے؟ آخر یہود کے گوسالہ پرست فرقہ نے اسی استکبار و جحود اور حیلہ تراشی کی لائن پر چلتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہی تھا کہ خدا کی آواز سنے بغیر ہم کیسے یقین کر لیں کہ اسے ہماری گوسالہ پرستی ناپسند ہے۔ ممکن ہے کہ تم نے اپنی ہی طرف سے خدا کے نام پر یہ تہمت لگا دی ہو۔ (العیاذ باللہ)

Marfat.com

لیکن اگر کوئی مسیحی صفت انہیں خدا کی آواز بھی سنوا دے تو پھر شاید وہ یہود صفت ہو کر یہ کہنے لگیں کہ ہم نے خدا کو بولتے ہوئے دیکھا تک ہی نہیں تو پھر کیسے مان لیں کہ یہ اسی کی آواز ہے؟ چنانچہ منکرین یہود نے صوت ربانی سن لینے کے باوجود بھی کہا بھی تھا کہ

لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً۔ ہم اس وقت تک تمہاری بات نہ مانیں گے جب تک اللہ کو کھلے بندوں آنکھ سے نہ دیکھ لیں۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسے لوگوں کو خدا کا جمال جہاں آرا بھی دکھلا دیا جائے تب بھی وہ اپنی ہٹ پر قائم رہیں گے اور اس وقت انکار کا کوئی اور حیلہ تراش لیں گے۔ آخر قوم نوح کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ عالم آخرت میں خدائے برحق کے روبرو کھڑی ہو کر اور اسے دیکھ کر بھی اس کے سچے کلام کو جھٹلا دے گی وہ تو فرمائے گا تم نے نوح کی بات کیوں نہیں مانی؟ یہ کہیں گے کہ کون نوح؟ ہم اس نام کے کسی شخص سے واقف نہیں ہم نے انہیں دیکھا تک نہیں نہ یہ ہم میں آئے نہ انہوں نے ہمیں کچھ سنایا۔

بہرحال نہ ماننے کے ہزار حیلے ہیں اور انکار کی ٹھان لینے والوں کیلئے نہ کلام الٰہی حجت ہے نہ دیدار خداوندی ع تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

۔ظاہر ہے کہ اس راہ کے رہروؤں کے سامنے کلام بے سود ہے کیونکہ ان کے یہاں انکار کی کوئی خاص حد ہی متعین نہیں کہ اس سے آگے اقرار و اعتراف کا مقام آ جائے وہ تو ہر حد پر یہی کہکر پیچھا چھڑالیں گے کہ اس مقام سے اوپر بھی تو مقام ہے تو پھر نچلا مقام کیوں تسلیم کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ یہ عنوان کھلے انکار کا ہے جس میں منکر کو کوئی دلیل ساکت نہیں کر سکتی تو اس نقطۂ نظر پر کلام کرنا ہی بے سود بلکہ فضول ہے۔ ماننے والے کو سمجھایا جاتا ہے۔ منکر محض کا جواب سکوت کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

ڈاڑھی سے بچنے کے لئے اختلاف علماء کی عذرداری

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کی آڑ لی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ مثلاً علماء ہند اسکے وجوب کو مقدار خاص کے ساتھ ضروری جانتے ہیں اور علماء مصر غیر ضروری۔ پس پہلے علماء باہم نمٹ لیں تب ہمارے عمل کا سوال پیدا ہو جس کے یہ معنی ہوئے کہ پہلے دنیا سے اختلاف رائے کا اصول ختم ہو اور پھر سارے فروعی اختلافات بھی ختم ہو جائیں جن کی شرعاً گنجائش دی گئی ہے تب یہ حضرات عمل کریں۔ دوسرے لفظوں میں ایک شرعی کلیہ پورا کا پورا ٹوٹے تب یہ ایک جزیہ پر عمل کریں۔ اس

Marfat.com

طرح فرعیات کا سلسلہ تو دنیا سے ختم ہوا۔ پھر کلیاتی اختلافات کی بھی جبکہ دنیا میں کمی نہیں تو اس ضابطہ کی رو سے اصولی لوگ بھی اس وقت تک عمل کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکیں گے جب تک یہ کلیاتی اور اصول موضوعہ کا اختلاف بھی ختم نہ ہو جائے لہذا امور کلیہ بھی گئے۔

پھر کلیاتی امور کے بعد بنیادی اور اساسی باتوں میں بھی کافی اختلاف موجود ہے تشریح و تفصیلات ہی کا سہی۔ اس لئے یہ طبقہ بھی مذکورہ اصول پر عملی راہ اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ یہ اختلاف بھی ختم نہ ہو جائے بس اصول اساسی بھی رخصت ہو گئے بلکہ یہ اختلافات اس وقت تک نہیں مٹ سکتے جب تک کہ انسانوں کے ذہن وفکر کا فہم و تعقل اور ذوق وجدان کا تفاوت اور اختلاف نہ مٹ جائے اور یہ اسی وقت مٹ سکتا ہے جب فطرت انسانی میں تبدیلی ہو جائے۔ اور وہ قطعاً بدل نہیں سکتی کہ لا تبدیل لخلق اللہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک یہ محال امر واقع نہ ہو جائے ان حضرات کے عمل کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی یعنی وہ ابد الآباد تک عمل نہیں کر سکتے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ عمل سے رکنے کا کوئی واقعی عذر ہے جو یہاں یا آخرت میں مان لیا جائے گا؟ نہیں کبھی نہیں! تو کہنے کی صاف بات یہ ہوگی کہ یہ عمل سے جان چھپانے کی حیلہ جوئی اور بہانہ تراشی ہے جس کے لئے وہ دیانتاً خدا کے سامنے جوابدہ ہیں۔ جہاں تک استدلال کا

Marfat.com

تعلق ہے اسکے ماننے کا اس طبقہ نے کوئی راستہ ہی نہیں رکھا کیونکہ جو کچھ بھی حدیث کے طور پر کہا جاتا ہے اس میں کسی نہ کسی کا اختلاف نکل آنا ممکن ہے اور اختلاف کے ہوتے ہوئے ان کے یہاں نہ کوئی بات قابل تسلیم ہے نہ قابل عمل۔ اس لئے یہاں بھی خاموشی کے سوا دوسرا جواب نہیں ہو سکتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر ان اختلافی جزئیات اور فقہ کی مختلف اور متخالف فرعیات امت مرحومہ کا عمل جس میں صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین اور علماء راسخین سب ہی کا عمل داخل ہے مذکورہ اصول پر لغو اور بے اصول ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایسے اختلاف کے ہوتے ہوئے آخر کیسے اور کیوں عمل کر لیا؟ بلکہ اور آگے قدم بڑھا کر داڑھی سے زیادہ شریعت جو ان فرعیات پر مشتمل ہے غیر ضروری العمل ٹھہر جاتی ہے۔ اس لئے ان منکرین عمل کا یہ عجیب اصول عمل ہے کہ شریعت کے کتنے ہی اصول ختم ہوں کتنی ہی شرعیات مٹیں آدھی سے زیادہ شریعت بیکار ہو اور ان گنت عمل کرنے والے مخلصان امت کا عمل لغو بنے تب ان حضرات کا شوق عمل پورا ہو کیا ایسی ہی پوچ نظریات سے داڑھی کے مسئلہ کو غیر ضروری یا غیر لازم العمل ثابت کیا جا سکے گا؟

داڑھی سے بچنے کے لئے اسے سنن زوائد پر قیاس کرنے کا حیلہ

بعض نے اس مسئلہ سے جان چھڑانے کے لئے

Marfat.com

الزامی رنگ کی دلیلوں کی آڑ پکڑی اور کہا کہ ڈاڑھی کے متعلق جس قسم
کے استدلالات پیش کیے جاتے ہیں اسی نوعیت کے استدلالات بہت
سے معاشرتی مسائل لباس وغیرہ کے سلسلہ میں بھی روایات میں موجود ہیں
حالانکہ انھیں کوئی واجب نہیں کہتا، ہاں زیادہ سے زیادہ افضلیت
اور استحباب کا دعویٰ کیا جاتا ہے حالانکہ امر و نہی کے صیغے وہاں بھی موجود ہیں
تو پھر اس نوع کے طرز استدلال سے ڈاڑھی کے وجوب پہ اتنا زور کیوں دیا
جاتا ہے؟ لیکن اس الزام کو قائم کرتے وقت انھیں اس پر غور کر لینا چاہیے تھا
کہ کسی معاشرتی چیز کو باوجود امر و نہی کے واجب نہ کہنا اسکی دلیل تو ہو سکتا ہے
کہ ڈاڑھی کے مسئلہ کی نوعیت اس مسئلہ کی نوعیت سے جداگانہ ہے جس سے صیغہ
حکم میں فرق پڑے گا لیکن اسکی دلیل نہیں بن سکتا کہ ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں یا
امر کا صیغہ ہی وجوب کیلیے نہیں رہا کیونکہ خصوصیات مقام اور خصوصیات
نوعیت امر و نہی کی نوعیت تبدیل کر دیتے ہیں جن مسائل میں شعار دین ہونے
کی شان ہو وہاں امر سے واجب ثابت ہوں گے اور جہاں یہ نوعیت نہ ہو بلکہ
وہ سنن زوائد میں سے ہوں جیسے لباس یا عام امور معاشرت اور ان میں کل
نوعہ بھی منتظم نہ ہو بلکہ متفاوت رہا ہو وہاں یہی امر و نہی استحباب اور نہی تنزیہہ
کیلیے ہو جائیں گے۔ البتہ اس فرق کے بارہ میں قول معتبر علماء راسخین کا ہوگا
ہر کس و ناکس کی مرضی و منشا کا اعتبار نہ ہوگا بہرحال امر و نہی سے لباس یا امور

Marfat.com

معاشرت کے واجب نہ ہونے کی وجہ سے ڈاڑھی کے امر ونہی کے وجوب میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا کہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں دونوں کی حیثیتوں کی نوعیت بھی الگ ہے اور دونوں کے آثار بھی جدا جدا ہیں جنہیں ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اگرچہ طریقِ استدلال کی صورت دونوں جگہ یکساں ہے کیونکہ طریقِ استدلال کا انداز فرض و واجب میں بھی وہی رہتا ہے جو سنت و مستحب کے اثبات میں ہوتا ہے مگر پھر بھی فرض فرض رہتا ہے اور سنت سنت۔

بعض نے ڈاڑھی کے مسئلہ کو ہلکا اور غیر اہم بنانے کیلئے یہ بھی کہا کہ اس مسئلہ میں بعض کتابیں ایسی طویل و بسیط بھی لکھی جا چکی ہیں جن میں کتاب و سنت سے اس کثرت سے دلائل پیش کئے گئے ہیں جس قدر کہ اس مسئلہ میں ممکن ہو سکتے تھے اسکا مقصد اگر محض خبر دینا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسکی تصدیق نہ کریں اور مصنف کتاب کیلئے جزاء خیر کا کلمہ استعمال نہ کریں اور اگر یہ غرض ہے کہ جب ہم نے کثیر الدلائل کتاب کو نہیں مانا تو اس کتابچہ کو کیسے مان سکتے ہیں جسمیں دلائل کا اتنا ذخیرہ نہیں تو یہ ذمہ داری نہ ماننے والوں کی ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر یہ مدعا ہے کہ چونکہ اس مقالہ کے دلائل کا عدد کم ہے اس لیے یہ قابلِ التفات نہیں تو فنِ استدلال کی کسی بھی دفعہ کی رو سے اثباتِ مدعا میں کثرتِ دلائل درکار نہیں قوتِ دلیل کی ضرورت ہے اگر ایک دلیل بھی صاف و صریح سامنے آجائے تو ثبوتِ مسئلہ کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ طویل رسالہ

Marfat.com

کا نام لیکر مختصر رسالہ کو رد کر دیا جانا ایسا ہی ہوگا جیسے فرض کا نام لیکر واجب کو چھوڑ دیا جائے یا واجب کا نام لیکر سنت و مستحب کا رد کر دیا جانا۔ پھر بھی اگر یہ قلیل الدلائل مقالہ درخور اعتنا نہ ہو تو اس کثیر الدلائل ہی رسالہ کو قبول کر لیا جائے۔ بہر حال اس سے بھی ڈاڑھی رکھنے ہی کا ثبوت دیا گیا ہوگا نہ کہ ڈاڑھی منڈانے کا۔ مقصد تو ہدایت دہی ہے کسی رسالہ اور کسی کے رسالہ سے بھی ہو محض احتمال آفرینی نہ کوئی دلیل ہے اور نہ شارعین کی نظروں میں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔

ڈاڑھی سے بچنے کے لئے دلیل خاص کا مطالبہ

بعض نے دلائل کی کثرت اور قوت سے زچ ہو کر آخر کار اس مسئلہ ہی سے دنیا کا رخ پھیرنے کے لئے شخصیتوں کا سوال کھڑا کیا یعنی ڈاڑھی کے مسئلہ میں اس کی سنیت یا وجوب سے تو انکار نہیں کیا اور نہ اس کے قابل عمل ہونے سے منحرف ہوئے مگر اپنی بے قیدی عمل کو برقرار رکھنے کے لئے یہ کہکر نفس فریبی کا حق بھی ادا کیا کہ علماء سلف میں مثلاً فلاں فلاں سے تو اس کے بارہ میں کوئی قول منقول ہی نہیں پھر اسے کیسے مان کیا جائے یا یہ کہ یہ مسئلہ مثلاً جبکہ فقہ حنفی کا ہے تو صاحب مذہب (امام ابی حنیفہؒ) سے تو کوئی قول اس بارہ میں منقول ہونا چاہئے تھا اور جب نہیں ہوا تو یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہی کہلانے کا مستحق نہیں کہ حنفی کے

Marfat.com

لئے اس کی تعمیل ضروری ہو لیکن یہ حیلہ عمل سے جان بچانے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

کہ کسی بھی فقہ کے ہر ہر جزئیہ میں صاحب مذہب کا قول منقول ہونا ضروری نہیں امام مذہب کے سکوت کی صورت میں ان کے فقہ کے ائمہ مبصر اور ناقلان مذہب تلامذہ کا قول بھی صاحب مذہب ہی کا قول شمار کیا جاتا ہے اور اس پر بھی عمل کرنے سے آدمی اسی فقہ کے دائرہ میں رہتا ہے۔ بالخصوص جبکہ مسئلہ سماعی بھی ہو قیاسی نہ ہو تو اس میں تو تلامذہ کا قول بہر صورت اوپر کی نقل ہی سمجھا جاتا ہے جسے تلامذہ کا قیاس سمجھ کر تلامذہ کا قول نہیں کہہ سکتے سیکڑوں مسائل ہیں امام ابو یوسف و محمد و زفر رحمہم اللہ کے اقوال سے استناد کیا گیا ہے۔ کتنی ہی تفصیلات میں مشائخ کے اقوال معتبر مانے گئے ہیں اور وہ سب کے سب فقہ حنفی کے ہی اصول کے تحت ہونے کے سبب فقہ حنفی ہی کی آواز سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ صاحب مذہب سے مخالف قول منقول ہوتا ہے اور پھر بھی ان کے تلامذہ کے اقوال پر فتویٰ بھی ہوتا ہے جو قول امام کے صراحۃً خلاف پڑتا ہے مگر پھر بھی تعمیل کنندہ اسی فقہ کے پیرو اور صاحب مذہب امام ہی کے متبع سمجھے جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ مذہب کے معنی اقوال کے نہیں اصول کے ہیں جن پر خود اقوال

Marfat.com

مبنی ہوتے ہیں اور فقہ میں درحقیقت انہی اصول کی پیروی کی جاتی ہے جزئی قول کی
صورت کچھ ہی ہو۔ اگر ان اصول مسلمہ پر جو صاحب مذہب سے منقول ہو گئے ہیں
انکے تلامذہ کے اقوال مبنی ہوں تو نہ صرف یہی کہ وہ واجب التسلیم ہوں گے
بلکہ خود صاحب مذہب کا قول سمجھے جائیں گے۔ اور کہا جائیگا کہ اگر صاحب مذہب سے
جزئیہ کی صورت میں کوئی قول منقول نہیں تو کلیہ اور اصول کی صورت میں منقول ہے۔
گویا فتویٰ منقول نہیں تو بنائے فتویٰ ضرور منقول ہے جس پر فتویٰ مبنی ہوتا ہے اور
وہ اصول اور کلیہ ہی ہیں جسے مفتی تلامیذ نے نکالکر سامنے رکھدیا ہے۔ یا امام کا
قول خود اپنے اصول کے خلاف تو پایا تو اس اصول کے کسی خاص پہلو کی رعایت پر
اور یا وقت کی کسی خصوصیت پر محمول کیا جاتا ہے۔ غرض اس صورت میں امام کے
سکوت کو سکوت باور نہیں کیا جائیگا۔ بہرحال سماعی مسائل میں امام کا قول منقول
ہو یا نہ ہو مگر مخالف منقول نہ ہو تو تلامذہ کا قول امام ہی کا قول شمار ہوگا۔ اور
واسطہ یا بلا واسطہ جزئیاً یا کلاً قول امام کو منسوب کر کے منقول مانا جائیگا۔ اندریں
صورت اس مسئلہ میں یہ کہنا کہ "اگر ڈاڑھی کا مسئلہ ضروری ہوتا تو اس بارہ میں
امام ابی حنیفہ کا کوئی قول ضرور ہوتا اور جب نہیں ہے تو ثابت ہے گویا کہ مسئلہ غیر
ضروری العمل ہے" محض تفنن طبع اور حیلہ جوئی ہے بیان حقیقت نہیں ورنہ یہ
کہا جا سکتا کہ "اگر یہ مسئلہ غیر ضروری ہوتا تو امام صاحب سے کوئی قول مخالف ضرور
منقول ہوتا اور جب نہیں ہوا تو ثابت ہو گیا کہ مسئلہ ضروری العمل ہے اس صورت

Marfat.com

ہیں منکروں کو کسی تائیدی قول کے مطالبہ کی گنجائش نہیں بلکہ مثبتین کو کسی مخالف قول دکھلانے کے مطالبہ کا موقع ہے جسے وہ نہیں دکھلا سکتے پس مخالف قول وہ نہیں دکھلا سکتے اور تائیدی قول سکوت کے تحت ہی نفی کے تحت نہیں جیسا کہ بیان کیا ہے جبکہ معترض بیان میں ہے اسلئے حجت اگر ہے تو انہیں پر ہے جو مثبت منفی ہے نہ مخالفین کے پس اگر بالفرض امام صاحب کا کوئی تائیدی قول منقول نہیں تو کوئی تردیدی قول بھی منقول نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ منفی پہلو کو تو سامنے لیا جائے اور مثبت پہلو کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ درحالیکہ کسی مسئلہ کے ماننے یا منوانے کا یہ کوئی بااصول طریقہ نہیں کہ اس مسئلہ میں فلاں عالم نے کچھ نہیں کہا لہذا وہ غلط ہے" بلکہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فلاں نے یہ کہا یا فلاں فلاں اصول کی رو سے وہ صواب ہے یا خطاء۔ بہرحال مسئلہ کا ثبوت مثبت پہلو سے ہوتا ہے منفی سے نہیں۔ اس کی بناء قول پر ہوتی ہے عدم قول پر نہیں مذکور پر ہوتی ہے مجہول پر نہیں اس لئے قائلین کے اقوال کو چھوڑ کر ساکتین کے سکوت کو بطور معارضت پیش کرنا حیلہ جوئی ہے نہ کہ معارضت یا حجت۔

یہ ساری گفتگو علی سبیل التنزل اس تقدیر پر بھی کہ مسئلہ زیر بحث میں امام ابوحنیفہ کا کوئی قول نقطۂ نفی میں منقول نہ ہو جیسا کہ ڈاڑھی سے گریز کنندوں نے تحدی کے ساتھ بڑے رنگ مطالبہ کیا ہے کہ امام صاحب کا ڈاڑھی کے بارہ میں کوئی قول ہے ہی نہیں تو اس مسئلہ پر فقہی حیثیت سے کیسے غور کیا جائے لیکن وا

ہے کہ ان حضرات نے جوش انکار میں بلا مطالعہ یا سرسری مطالعہ سے یہ مذکورہ دعویٰ کیا۔ ورنہ امام صاحب کا قول ڈاڑھی اور اس کی مقدار کے بارہ میں صراحۃً موجود اور نقل ثقات سے منقول ہے امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں۔

محمد قال أخبرنا ابو حنيفة عن الهيثم عن ابن عمر انه كان يقبض على لحيته ثم يقص ما تحت القبضة قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابى حنيفة رح۔

(کتاب الآثار صفحہ [illegible] مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ)

محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو حنیفہ نے انہوں نے روایت کی ہیثم سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ وہ (ابن عمر) اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیکر مٹھی بھر سے زائد کو جو مٹھی کے نیچے لٹکی ہوتی کٹوا دیتے تھے۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسکو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ہے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا

اب جبکہ وہ مطالبہ کردہ چیز بھی سامنے آ گئی جس کی بنا پر سائل نے عمل ڈاڑھی رکھنے کی ضرورت سے انکار کر دیا تھا کہ اس بارہ میں امام ابو حنیفہ کا قول دکھلایا جائے۔ جس کا دکھلانا گویا اسکے نزدیک ناممکن تھا تو اب عمل کرنے میں کیا حیل حجت باقی رہی؟ معترضین نے اپنے نزدیک گویا تعلیق بالمحال کی صورت پیدا کی کہ نہ قول ہوگا نہ ڈاڑھی رکھنا پڑیگی۔ فقہ کی عام متداول کتابوں میں امام صاحب کا قول ملیگا

Marfat.com

نہ عمل کا یہ فریضہ ہم پر عائد ہوگا۔ لیکن فقہ حنفی چند درسی کتابوں کا نام نہیں بلکہ وہ ایک عظیم ذخیرہ ہے جو درسی غیر درسی کتابوں کے طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے چنانچہ اسی میں سے روایت مذکورہ نکل آئی اور امام صاحب کا قول بھی سامنے آگیا۔ اب جبکہ منہ مانگی دلیل مل گئی تو ایک اقراری حیثیت سے قائلوں کو اپنے موجودہ عمل پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت نہیں؟

خاتمہ کلام

ہم نے اختتام کلام پر سب سے آخر میں امام ابی حنیفہ کا قول اسی لئے پیش کیا کہ ایک حنفی کے لئے کتاب وسنت کے عظیم الشان قصر میں داخل ہونے کا دروازہ فقہ حنفی ہے۔ کتاب وسنت سے اس نے علم کے استنباط کرنے میں فقہ نے اور بالفاظ دیگر امام ابی حنیفہ کی عارف اور دقیقہ رس شخصیت نے رہنمائی کی اس لئے اس مسئلہ میں جہاں تک تفقہ کا تعلق ہے ان کا قول اول بھی ہے اور آخری بھی ہے۔ اور اسی لئے سائلین نے بالآخر میدان میں اسی قول کے مطالبہ کیا۔ اسی لئے جیسا کہ ہم نے بھی کلام کو اسی قول پر ختم کیا تاکہ ذہنوں میں یہ آخری دلیل قائم رہ کر دوسرے تمام دلائل کو اکھاڑتی رہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا نام لینے والوں کے لئے داڑھی رکھنے کے مسئلے میں کسی

Marfat.com

حیلہ بہانہ کی گنجائش نہ رہے۔
گو ایسے لوگوں کے لئے جو ترک عمل کی ٹھان کر بے عملی کی حجتیں مہیا کرنے کی فکر میں لگے ہوتے ہوں وجوب فرضیت تو بجائے خود ہے خدا کی آواز اور اس کا بالمشافہ حکم سنا دینا بھی کافی نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود انہی کے نفس کا تقاضا اپنی ہی کسی غرض سے منہ یا بے نفسی پیدا نہ ہو جائے۔ اس لئے دلیل کی کوئی بھی طاقت انہیں متاثر یا مطمئن نہیں کر سکتی۔ تاہم سوال موصول ہونے پر اپنا فرض بھی سمجھا گیا کہ تا حدِ امکان اس مسئلہ کی موجبہ طریق پیش کر دیا جائے اور مخالفین کی حجتوں کو امکانی حد تک قطع کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ بدعملی کے لئے کوئی معقول عذر باقی نہ رہے۔ اگر آج نہیں تو ممکن ہے کہ کل ان میں قبول و تسلیم کے رجحانات پیدا ہو جائیں۔ ورنہ ان مذبذب لوگوں کے راہ یقین پر آجانے کی تو اقلاً توقع ہے جو شک اندازیوں سے شکوک و شبہات کا شکار بنا دیئے گئے ہیں مگر بہ صدق دل اس دلدل سے نکل آنے کے خواہشمند ہیں اور یہ بھی نہیں تو کم از کم اپنا فرض تو ادا کر دیا گیا جو ایسے سوالات و استفسارات کے وقت ذمہ پر عائد ہوتا تھا۔

Marfat.com

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ -

اور ان میں سے ایک جماعت نے کہا تم اس قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا یا عذاب شدید دینے والا ہے انہوں نے جواب دیا تاکہ ان کے پروردگار سے معذرت کی جاسکے اور شاید کہ وہ لوگ باز آجائیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَآخِرًا

محمد طیب غفرلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

Marfat.com

١

٧٨٦

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ الخ

ترجمہ

جز این نیست کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ
اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں

المیسر

قرآن شریف واحادیث کی روشنی میں مروجہ کھیلوں کے احکام معلوم
کرنے کے عام فہم اصول اور طریقے جوئے کی حقیقت پر بصیرت افروز رسالہ

رشحۂ قلم

حضرت مولانا حافظ قاری مشرف علی صاحب تھانوی

ناشر

ادارہ عثمانیہ (رجسٹرڈ) ۳۲ بین بازار پرانی انارکلی لاہور

(پنجاب نیشنل پرنٹنگ پریس لاہور)

Marfat.com

حرفِ اوّل

زیر نظر رسالہ، مولانا حافظ قاری مشرف علی صاحب زیدت مکارمہم کی تالیف ہے۔ مولانا موصوف، عالمی شہرت رکھنے والے علمی خاندان کے ایک اہم رکن اور موجودہ دور کے مشہور عالم حضرات مولانا مفتی محمد احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم مفتی اعظم جامعہ اشرفیہ لاہور کے خلف اکبر وارشد ہیں اور اس بات کی شاید ضرورت نہ ہو کہ حضرت مفتی صاحب موصوف حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص اعزہ میں سے ہیں۔ مولانائے محترم نے اس رسالہ میں جوئے اور شطرنج کی تعریف اور ان دونوں سے متعلقہ مسائل کو وضاحت اور دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تحقیق طلب حضرات اس مختصر رسالہ کو متعلقہ مسائل میں اطمینان بخش پائیں گے۔

شوقی الاسعدی

دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور

۲۱ فروری ۱۹۶۴ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المیسر

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

میسر اور قمار کی تعریف

میسر اور قمار یہ دو لفظ اصطلاح شریعت میں کسی ایسے معاملہ کیلئے مستعمل ہیں جسمیں نفع اور نقصان مبہم ہوں یعنی جن دو افراد کے درمیان معاملہ ہے انہیں یہ پتہ نہ چل سکے کہ کس کا نفع ہوگا اور کسکا نقصان۔ یا ایک ہی شخص کے حق میں نفع و نقصان کا علم نہ ہو سکے مثلاً چند آدمی ملکر یہ صورت بنائیں کہ چند کاغذ لیکر ان پر نمبر ڈالدیں اور گولیاں بناکر ایک جگہ جمع کردیں پھر یہ شرط لگائیں کہ جسکا فلاں نمبر ہوگا وہ اتنے مال یا اتنے روپے کا مالک ہوگا اور فلاں نمبر والا محروم ہے اس کا کوئی حصہ نہیں اور فلاں نمبر والا اتنے کا مالک ہے غرض ایسے ہی نمبر مقرر کرکے قسمت آزمائی کرنا یا وہ معاملہ جس میں ایک کا نفع دوسرے کے نقصان کو مستلزم ہو یعنی دو شخصوں میں جب اس قسم کا معاملہ ہو جسمیں

Marfat.com

ایک کا مال دوسرے کے پاس جانے کا امکان ہو اور دوسرے کا مال اس کے پاس آنے کا امکان ہو۔ گویا طرفین کا مال خطرہ میں پڑ جائے اس کا نام میسر ہے (شامی ج ۵ ص ۳۵۵) ابن سیرینؒ کا قول ہے کل شی فیہ خطر فہو لمیسر یعنی جس معاملہ سے مال خطرہ میں پڑ جائے وہ میسر ہے ان سب صورتوں کو اصطلاح شریعت میں میسر اور قمار کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اردو میں اس کو شرط بدھنا اور جوا کھیلنا کہتے ہیں۔ اس کی متعدد صورتیں رائج ہیں۔ قریب قریب ہر ملک میں کیا بلکہ ہر شہر میں بے شمار صورتوں میں قمار یعنی جوا کھیلا جارہا ہے اور تقریباً اس کا ابتلاء اتنا عام ہوچکا ہے کہ لوگوں کے اذہان اس طرف توجہ بھی نہیں کرتے کہ اسکا حکم شرعی کیا ہوگا گویا یہ لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے یہی وجہ ہے کہ اب اگر اس کا حکم کسی کو معلوم بھی ہو جائے تو وہ اپنی طبیعت سے اتنا مجبور ہوچکا کہ حکم معلوم ہوتے ہی بجائے اسکے کہ طبیعت کو شرعی حکم کے تابع بنائیں اور بری عادت سے بچنے کی سعی کریں الٹا حکم شرعی میں حیلہ و تاویلات کی تلاش میں مصروف ہوجاتے ہیں علماء کو اس پر مجبور کرتے ہیں کہ اب اسکو جائز کہو اور پرانی حکایتیں پرانا دین اور پرانا قانون سب نئے رنگ میں تبدیل کرو معاذ اللہ۔ بہرکیف آغاز سخن یہ تھا کہ قمار کی بے شمار شکلیں رائج ہیں مگر لوگ انکے احکامات سے غافل ہیں اس لئے زیر قلم مضمون کی ضرورت پڑی اس کی جتنی صورتیں ہیں ان سب کو علیحدہ علیحدہ شمار کرکے اگر حکم بتایا جائے تو شاید اس مضمون کے

Marfat.com

طول کو شب ہجر یا شیطان کی آنت سے تشبیہ دینی پڑے اوّل
تو ناممکن ہے کیونکہ دور اتنا جدت پسند ہو چکا کہ جس کا تصوّر بھی
بعید سا معلوم ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ ہر دن ایک نیا کھیل جنم لیتا
ہے اور یہ نیا کھیل اگرچہ کسی پرانے کھیل کے بالکل ہی مشابہ کیوں
نہ ہو لوگ پہلے کھیل کا حکم دوسرے کیلئے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس نئے
کھیل کو حکم شرعی سے آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ احکامات شرعیہ کو یہ
کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب احکامات پہلے کھیلوں
کیلئے ہیں جو کھیل ہم کھیلتے ہیں نہ یہ کھیل پہلے تھا نہ اس کا حکم شریعت میں
موجود ہے جب تمام کھیلوں کا علم ممکن نہیں تو انکا علیحدہ علیحدہ
حکم معلوم کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی قاعدہ کلیہ اور
قانون کلی ایسا معلوم ہو جائے کہ اسکو بمنزلہ کسوٹی کے بنا کر ہر کھیل
کو اس پر پرکھا جائے تو شاید ہر کھیل کا حکم معلوم ہو سکے کیونکہ وہ
کسوٹی کسی ایک کھیل کیلئے تو ہو گی نہیں کہ اس کے پرانا ہونے سے
یہ کسوٹی بھی پرانی ہو جائے بلکہ وہ تو ہر کھیل کے لئے نئی ہی
ہو گی اور ہر آنے والے کھیل کو پرکھ کر اس کا جواز و عدم جواز متعین
کر دے گی۔ کیونکہ وہ ایک قانون ہے اور قانون و اصول کسی ا
ایک کام کے لئے نہیں مرتب ہوتا بلکہ تدوین قوانین کے وقت سے

Marfat.com

اس وقت تک جب تک اس اصول کا نفاذ ہے ہر فعل کا حکم بتانے میں بطور مستقل ہوتا ہے۔ مروجہ دور حاضرہ کھیلوں کا حکم معلوم کرنے کے لئے یہ تین اصول متعین ہیں:۔

اصول اوّل قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ۔ اِلٰی فَاجْتَنِبُوْهُ پ ۷ ع ۲۔ ترجمہ۔ یقیناً شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تمکو فلاح ہو۔ اسمیں لفظ میسر عام ہے کھیلوں کے لئے وہ ہے کسوٹی اور اصول جس کی وضاحت پہلے گذر چکی کہ ہر اس معاملہ کو کہتے ہیں جسمیں ایک مال دوسرے کے پاس جانیکا امکان ہو اور دوسرے کا مال اس کے پاس آنے کا امکان ہو (شامی ج ۵ صفحہ ۳۵۵) یعنی کھیل میں اس قسم کی شرط لگائی جائے جس سے طرفین کا مال خطرہ میں پڑجائے۔ یہاں ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ اس شرط کا دوطرف سے ہونا شرط ہے کھیل کے دوران اس شرط کی وجہ سے دونوں اپنے مال پر اعتماد نہ کرسکیں بلکہ ہر ایک کے لئے نفع اور نقصان دونوں پہلو برابر ہوں یہ صورت میسر میں داخل ہوگی اور اس کا بدلول قطعاً حرام ہوگا۔ درمختار میں ہے

وحرم لو شرط فیھما من الجانبین لانہ یصیر قمارًا
(شامی ج ۵ ص ۳۵۵) یہ ایک کسوٹی ہے اب اس پر تمام کھیلوں کو پرکھتے جائیے جس کو جتنی مناسبت ہوگی اس پر اتنا حکم لگ جائے گا جس طرح جائز میں شقوق ہیں ایسے ہی ناجائز میں بھی شقوق ہیں (مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی حرام قطعی) المیسر صریح حرام ہے اب اس سے جس کھیل کو جتنی مناسبت ہوگی اس پر اتنا ہی حکم لگ جائے گا۔ اگر کم مناسبت ہے تو مکروہ تنزیہی زیادہ ہے تو مکروہ تحریمی بالکل عینیت ہے تو حرام ہوگا۔ مگر یہ تمیز اور فرق ہر وجہ دورگذشتہ کھیلوں میں تو دورگذشتہ کے علماء کے اقوال و تشریحات کا تخاج ہوگا۔ اور دور حاضر کے کھیلوں میں دور حاضر کے علماء اکابرین سکے سپرد ہے عوام میں کوئی اس کا مجاز نہیں کہ اپنے فہم سے فرق نکال کر حکم لگا دے بلکہ ہر آدمی کو علماء اکابرین کے فیصلہ کا متبع ہونا ضروری ہے۔

اصول ثانی کھیلوں کے ناجائز ہونے کا مدار ایک تو اس آیت پر ہے اس کے علاوہ ایک اصول یہ ہے کہ ہر وہ کھیل جو انسان کو اتنا مشغول کرتا ہو کہ اس میں منہمک ہو کر آدمی نماز روزہ (عبادت الہیہ) سے غافل ہو جائے وہ بھی ناجائز ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

Marfat.com

ما الہاک عن ذکر اللہ فہو المیسر (ہدایہ آخر ص۴۷۵)

بیہقی میں ہے من طریق عبید اللہ بن عمر قلت للقاسم ھذا لا النرد یکرھونھا فما بال الشطرنج قال کل ما الھی عن ذکر اللہ فہو المیسر (بیہقی) اس کلیہ کے تحت جو کھیل ایسے داخل ہوتے ہیں جن کا خاصہ ہی غفلت عن العبادات ہے وہ تو بالکل ناجائز ہونگے اور جن کھیلوں کا خاصہ تو نہیں ہے یعنی وہ کھیل تو اتنے دلچسپ اور طویل نہیں ہوتے کہ ان میں مشغول ہو کر آدمی نماز اور سلام کے جواب وغیرہ سے غافل ہو جاتے مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہو جائے تو وہ بھی ناجائز ہوں گے مگر ان کے کھیلنے پر اتنا گناہ نہ ہوگا جتنا ایسے کھیل پہ ہوتا ہے جس کے متعلق یہ بھی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی دلچسپی نماز وغیرہ سے غافل کر دیتی ہے۔

اصول ثالث جس طرح کسی کھیل کے جواز و عدم جواز میں گزشتہ دو اصولوں کا دخل ہے ایسے ہی اس تیسرے اصول کو بھی جواز و عدم جواز میں پورا پورا دخل ہے یعنی اس پر کھ کر بھی جائز یا ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے وہ اصول ہے۔ تشبہ بغیر المسلمین حدیث شریف میں ہے

Marfat.com

من تشبه بقوم فھو منھم آھ۔ یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ کرے گا وہ انہیں میں سے شمار کیا جائے۔ اب اس کلیہ کے تحت جیسے مذہب میں تشبہ اختیار کرنا عادات اخلاق میں تشبہ اختیار کرنا طرز رہائش اور لباس وغیرہ میں تشبہ اختیار کرنا داخل ہیں ایسے ہی کھیلوں میں تشبہ اختیار کرنا بھی داخل ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عربی کمان لئے ہوئے تھے آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ فارسی کمان سے کھیل رہا ہے فرمایا۔ ماھذہ وعلیکم بھذہ واشباھھا الحدیث (امداد الفتاوے ج ۴ صفحہ ۲۴۴) معلوم ہوا کہ کھیلوں میں بھی تشبہ بغیر المسلمین غیر پسندیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس اصول کے تحت فقط کراہت ثابت ہوتی ہے حرمت نہیں اس اصول کے تحت بھی دیکھنا پڑے گا کہ جس کھیل میں غیر مسلموں سے جتنی مشابہت ہوگی وہ اتنا ہی قبیح ہوگا۔ یہ تین اصول ہیں اب ان تینوں کو ملا کر ہر کھیل کو پرکھنے جائیے مثلاً اگر کھیل میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ ہے تب بھی وہ ناجائز ہوگا اور اگر تشبہ تو نہیں مگر اس کا خاصہ ہے غفلت عن العبادۃ کہ اس میں منہمک ہو کر نماز روزہ کا خیال نہیں رہتا تب بھی وہ

ناجائز ہوگا۔ اور اگر یہ بات بھی نہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ اسمیں اصول اول تو نہیں پایا جاتا یعنی شرط اور جوا تو نہیں اگر جوا ہوگا تو اصول اول کے تحت میسر کا مدلول حکمی بنے گا اور ناجائز ہوگا۔

یہاں تک تو کھیلوں پر حکم لگانے کے لئے ان کے اصولوں کا تعین ہوا اب سنئے کہ اصول اوّل یعنی قمار و میسر کے مرتکب کا کیا حکم ہے اور وہ عبارات جو بعض کھیلوں کو صراحۃً میسر میں داخل کرتی ہیں ان کا کیا مطلب ہے ؟

اعتقاد اور عمل میں فرق

قمار اور میسر جو حکماً حرام قطعی ہیں انکا مرتکب مرتکب کبیرہ ہوتا ہے جیسے اور معاصی سے اجتناب ضروری ہے ایسے ہی اس سے بھی اجتناب ضروری ہے اور اگر مرتکب ہوا ہو تو توبہ ضروری ہے اسکو اعتقاداً جائز سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور نص قطعی کا منکر کافر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

دعوتِ عمل

جیسے اس فعل کا ارتکاب حرام ہے ایسے ہی کسی کو اس کے ارتکاب کی رغبت

Marfat.com

المیسر

دلانا اور دعوت دینا بھی ناجائز ہے حدیث میں آتا ہے۔

من قال لصاحبہ تعال اقامرک فلیتصدق یعنی اگر کسی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ جوا کھیلیں تو اسکو چاہیئے کہ مال خیرات کرے کیونکہ اول تو اس دعوت سے ہی دعوت دینے والا ایک گناہ کا مرتکب ہو گیا اگرچہ ابھی عمل نہ کیا ہو تو اس گناہ کی تلافی کے لئے صدقہ کرے دوسرے صدقہ کا حکم اس لئے بھی ہے کہ قرآن کی آیت سے خمر اور میسر دونوں کا نجس ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ آیت میں رجس کا لفظ موجود ہے جس کی تفسیر قاضی بیضاوی نے قذر سے کی ہے رجس کے معنی ہیں " وہ چیز جس سے عقل سلیم نفرت کرے " تو کیونکہ یہ نجس ہیں اور نجس چیز کے اپنانے سے آدمی خود نجس ہو جاتا ہے اس لئے طہارت کی ضرورت ہے اور صدقات و خیرات بھی ایک گونہ ذریعہ طہارت بنتے ہیں جیساکہ قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے ارشاد باری ہے۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔ ترجمہ : لوگوں کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے کہ ان کو پاک کر دیں اور اس سے صفائی پیدا کر دیں۔

Marfat.com

اور حدیث شریف میں بھی کئی جگہ ہے۔ مہر کیف کیونکہ اس دعوت دینے سے یہ نجس ہوگیا تھا اور صدقہ ذریعہ طہارت ہے اسی لئے فرمایا کہ صدقہ کرے تاکہ اس سے طہارت حاصل ہو۔

عموم عبادت کا مطلب

جو عبارات بعض کھیلوں کو صراحتہ میسر میں حکماً داخل کرتی ہیں جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے الشطرنج من المیسر یا جیسے ائمہ تابعین عطاء مجاہد۔ طاؤس وغیرہم کا ارشاد ہے کل شیئ من القمار فھو من المیسر حتی لعب الصبیان بالجوز۔ یعنی ہر کھیل جس پر قمار کا اطلاق ہو سکتا ہے جس کو جوا کہا جا سکتا ہے وہ میسر کے مصداق میں داخل ہے حتی کہ بچوں کا کھیل بھی جو وہ اخروٹ سے کھیلتے ہیں (احکام القمار) یہ اقوال یا ایسے ہی اور بہت سے اقوال زر وضاحت طلب اور تحقیق طلب ہیں۔ بغیر وضاحت کے ان کو ان کے عموم پر چھوڑ دینا ان بنیادی ان اصولوں کے خلاف ہوگا جو پہلے گزر چکے اس لئے وضاحت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس عنوان کے تحت سب سے پہلے

شطرنج کے میسر میں داخل ہونے کا قول مذکور ہے اسلئے پہلے شطرنج کا حکم سن لیں پھر ائمہ کے قول کا مطلب عرض کر دیا جائے گا۔

شطرنج اور نرد شیر شطرنج اور چوسر کے متعلق تو فقہا کا فیصلہ ہے کہ یہ حرام ہیں کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من لعب بالشطرنج والنردشیر فکانما غمس یدہ فی دم الخنزیر (ہدایہ آخر ص۴۷۵) ترجمہ شطرنج اور چوسر کھیلنے والا گویا کہ اس کے ہاتھ دم خنزیر میں بھرے ہوتے ہیں کیونکہ الفاظ میں عموم ہے اس لئے حرمت ہر حال میں ہو گی خواہ مع القمار ہو یا بلا قمار تفسیر احمدی میں ایک مقام پر اسکی وضاحت ہے لکھا ہے وان کان بدون القمار فالنرد حرام بالاجماع والشطرنج حرام عندنا (تفسیر احمدی) شطرنج کے ساتھ عندنا کی قید اس لئے لگائی کہ اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق نہیں جیسا کہ آگے آجائے گا اور چوسر میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے سب کے نزدیک حرام ہے۔ شطرنج کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

Marfat.com

وہ قول جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اپنے عموم کی وجہ سے شطرنج کی
تمام مروجہ صورتوں پر مشتمل ہوگا خواہ مع القمار ہوں یا بلاقمار۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول اور مذکور ہے کہ ایک مرتبہ
ایک جگہ سے گذر ہوا وہاں کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے تھے
دیکھ کر فرمایا ماھذہ التماثیل التی انتم لہا
عاکفون (غایۃ البیان) کیونکہ شطرنج میں بادشاہ وزیر رخ
فرزیاں وغیرہ سب ہی بتوں کی شکل میں ہوتے ہیں اس لئے
ان کو تماثیل سے تعبیر فرمایا کہ گویا یہ بھی حکماً بت ہی ہیں اسلئے
بھی ان سے کھیلنا منع ہے۔

اتفاق مسالک شطرنج کا یہ حکم فقط حنفی مسلک میں
ہی نہیں بلکہ مالکی اور حنبلی مذہب
میں بھی یہی حکم ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک بلاقمار یعنی
اس صورت میں کہ جب اس پر جوا نہ لگایا جائے باقی ائمہ کیطرح
حرام نہیں۔ ہاں مکروہ وہ بھی کہتے ہیں لیکن اس قول میں ان کے
یہاں بھی ایک شرط ہے کہ قاعدہ ثانی اس پر عائد نہ ہوتا ہو
یعنی نماز اور جواب سلام وغیرہ سے غافل نہ کرے تو حرام نہیں
مگر مکروہ پھر بھی ہے اور اگر اس قاعدہ کے تحت آجائے تو انکے

Marfat.com

نزدیک بھی حرام ہے (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۲۲۹) بہر کیف اوّل تو ائمہ سب ہی متفق ہیں اور اگر یہ اختلاف مدنظر بھی ہے تو اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ ایک مجتہد کے مقلدین دوسرے مجتہد کا اقتدار نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کسی مجتہد کا کوئی قول دوسرے مجتہد کے مقلدین اجماعی صورت میں قبول کر لیں تو یہ قول اب ایسا ہو کہ ان کے لئے واجب التقلید ہوگا غرض خواہشات نفسانی کا اتباع کرتے ہوئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک امام کے نزدیک تو حرمت نہیں اس لئے ہم اس مسئلہ میں انکی تقلید کرتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہے ائمہ کا یہ اختلاف فقط شطرنج کے متعلق ہے نردشیر یعنی چوسر میں یہ اختلاف نہیں بلکہ اسکی حرمت پر اتفاق اور اجماع ہے جیساکہ تفسیر احمدی کی عبارت سے واضح ہے ان دلائل سے شطرنج کے احکام اور اس کی نوعیت خوب واضح ہوگئی ہوگی طوالت کے ڈر سے فقہا کے اقوال نقل نہیں کئے زیادہ وضاحت درکار ہو تو امداد الفتاوی جلد ۴ ص ۲۲۹۔ بیضاوی شریف پارہ ہفتم آیت "یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر الخ" کی تفسیر۔ ھدایہ آخرین ص ۴۷۵۔ شامی ص ۳۵۵ جلد ۵ ملاحظہ فرمائیں۔ نیز اس

Marfat.com

سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کا ایک رسالہ "احکام القمار" ہے اسکو مطالعہ میں رکھیں۔ شطرنج کیونکہ صراحۃً قمار اور میسر میں داخل ہے اور آیت مذکورہ کا مدلول حکمی ہے اس لئے پہلے اسی کی تفصیل ذکر کی گئی اب سنئے فقہائے تابعین کی عبارت کا مطلب۔

اقوال ائمہ کا مطلب

کل شئی من القمار فھو من المیسر حتی لعب الصبیان بالجوز۔ یعنی ہر وہ کھیل جس میں جوا اور شرط بین الطرفین پائی جائے وہ میسر کا مدلول ہے حتی کہ بچوں کا وہ کھیل جو اخروٹ یا بادام وغیرہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہ عبارت یا ایسے ہی اور اقوال جن سے کھیلوں کی حرمت عمومی طور پر معلوم ہوتی ہے ذرا وضاحت طلب ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں بچے اخروٹ وغیرہ کا کھیل بغیر شرط بدے اور جوا رکھے نہیں کھیلتے تھے جیسے آجکل بھی اکثر جگہ بچے اخروٹ وغیرہ سے اس طرح کھیلتے ہیں کہ جیت نے والا اکثر تمام اخروٹ جیت کر لیجاتا ہے اور اس طرح یہ جوئے بازی مجلسئے پیسوں کے اخروٹ یا گولیوں کی شکل میں پوری ہوتی

Marfat.com

ہے اس جوئے بازی کی وجہ سے کھیل اصول اول کا مدلول حکمی بنیں گے اور میسر کے حکم میں شامل ہوں گے مذکورہ عبارت سے بھی یہ حکم اسی وجہ سے ثابت ہوتا ہے چنانچہ عبارت میں تصریح ہے کہ قمار والے کھیل ہیں وہ میسر کا مدلول ہیں۔

ہاں اگر کوئی جوا نہ رکھے بلکہ ویسے ہی تفریح طبع کے لئے کھیلے تو میسر کے حکم سے تو نکل جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اصول ثانی کے تحت تو مندرج نہیں ہوتا اس میں یہ خاصیت تو نہیں کہ نماز اور اسلام کے جواب سے غافل کر دے اگر یہ خاصیت بھی نہیں یا کھیلنے والا خود اس کی طرف اتنا مائل نہ ہو بلکہ نماز کا بھی خیال رکھے اور سلام کے جواب کا بھی۔ تو اس اصول سے بھی نکل جائے گا۔ اب تیسرا اصول اور باقی رہا کہ یہ کھیل غیر مسلموں کے کھیلوں سے مشابہت تو نہیں رکھتا یا ان کا کھیل تو نہیں ہے اگر ان کا کھیل ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ ابھی تک ان کے ساتھ خاص ہے یا نہیں اگر بالکل ان کے ساتھ خاص ہے تو مشابہت کھلی ہے اس لیے بالکل ناجائز اور مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر مسلمانوں میں اس کا ابتلا ہو چکا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ ابتلاء کم ہے یا زیادہ کم ہے تو کراہت زیادہ ہوگی زیادہ ہے تو کراہت کم ہوگی۔ اگر ان سے مشابہت بھی نہیں اور ایسا کھیل ہے

Marfat.com

کہ ہے بھی خالص مسلمانوں کا غافل کرنے والا بھی نہیں اس پر شرط
بھی نہیں لگائی جا رہی تو جائز ہو گا مگر اس کے باوجود بھی زیادہ وقت
اس میں برباد کرنا تضییع وقت ہو گا۔ اس طویل بحث کا حاصل یہ ہے
کہ فقہائے تابعین کی عبارت میں جو عموم ہے جس سے ہر کھیل میسر کا
مدلول حکمی معلوم ہوتا ہے وہ محض اسی لئے کہ ان کے زمانہ میں کھیل
بغیر شرط بدھے نہیں کھیلے جاتے ہوں گے ورنہ اس قسم کا اطلاق جو کہ
سوائے شطرنج وچوسر کے اور کسی کھیل کے بارے میں نہیں آیا۔ اور
اخروٹ وغیرہ کا کھیل کیونکہ ہوتا ہی ہار جیت کے ساتھ ہے اسے
کوئی بغیر ہار جیت کے کھیلتا ہی نہیں اس لیے اس کو ان فقہائے
صراحتہً میسر کا مدخول بنایا ہے۔ ہاں اگر کوئی بچہ بغیر ہار جیت کے
کھیلے گا تو اس کا میسر کے حکم میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس عبارت
سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ عبارت یہ ہے۔ کل شیئ من القمار
فہو من المیسر یعنی جو قمار کا فرد ہو گا وہ میسر کا مدخول ہے اور یہ کھیل
بطور مثال ذکر کیا ہے جس سے وضاحت ہو گئی کہ اگر قمار کا مصداق
ہُوا تو میسر کے حکم میں ہو گا۔ تو جب بلا شرط رکھے قمار کی تعریف اس
پر صادق نہیں آتی تو میسر کی کس طرح آسکتی ہے خلاصہ یہ نکلا کہ
کھیلوں کے جواز و عدم جواز کا مذکورہ اصولوں پر ہی ہے مکمار

Marfat.com

اور فقہاء کے جو اقوال عمومی طور پر بعض کھیلوں کو میسر شمار کرتے ہیں وہ بھی اپنے ہاں کے رواج کی وجہ سے کیونکہ نصوص میں سوائے شطرنج کے اور نرد شیر کے اور کوئی کھیل مذکور نہیں۔

مگر کیونکہ لہو و لعب کی حدیث میں ممانعت آئی ہے قرآن شریف میں بھی مذمت آئی ہے اس لئے ہر کھیل ممنوع ہوگا حدیث شریف میں فقط تین کھیلوں کی اجازت دی گئی ہے۔ کل شیی من لھو الدنیا باطل الا ثلثه انتضالك بقوسك وتادیبك فرسك وملاعبتك اهلك فانهن من الحق (رواہ الحاکم فی مستدرکہ) یعنی دنیاوی کھیل ان تین کھیلوں کے علاوہ سب باطل ہیں۔ کمان سے مشق کرنا۔ گھوڑے کو ادب سکھاتا بیوی بچوں کے ساتھ کھیلنا کیونکہ یہ حقوق میں سے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھیل وہ جائز ہیں جو ادائیگی حقوق کے سبب بن رہے ہوں کہ ان سے حقوق العباد ادا ہوں یا حقوق اللہ چنانچہ پہلی دو چیزیں کمان سے مشق کرنا۔ اور گھوڑے کو طریق حرب سکھانا تو جہاد کے لیے معین ہے اور جہاد حق اللہ ہے چنانچہ جس دور میں جو بھی آلات حرب ہوں گے ان کے طریقے سیکھنا یا ایسے کھیل کھیلنا جو ان کے طریقوں میں معین ہوں جائز ہوں گے مگر چند شرطیں

Marfat.com

ہیں. کھیلتے وقت یہ نیت ہو کہ شاید یہ طریقہ کام آجائے۔ جوا نہ لگایا جائے۔ عبادات سے غفلت نہ ہو۔ غیر مسلموں سے تشبہ نہ ہو۔ چنانچہ شطرنج، تاش، اخروٹ وغیرہ کھیلوں کی کتب فقہ میں تصریح موجود ہے جن سے ان کا عدم جواز ثابت ہو جاتا ہے۔

حدیث میں تیسری چیز حقوق العباد سے متعلق ہے کیونکہ گھر میں خوش اخلاقی کا ثبوت دینا حقوق العباد میں سے ہے بیوی سے اچھا برتاؤ کرنا اس کے حقوق میں سے ہے اولاد سے حسن سلوک کرنا ان کے حقوق میں سے ہے ماں باپ کا ادب کرنا وغیرہ سب حقوق اہل خانہ میں داخل ہے اور حقوق العباد کا ایک فرد ہے ملاعبت اہل کے یہی معنیٰ ہیں اگر اس کے معنیٰ کھیل کے ہی لیے جائیں تب بھی کوئی قباحت نہیں کیونکہ کبھی بیوی بچوں سے مزاح وغیرہ کرنا بھی ان کے حقوق ہیں۔ بہرکیف یہ تینوں چیزیں کھیل کی حیثیت سے جائز نہیں حقوق ہونے کی حیثیت سے جائز ہیں۔ واللہ اعلم۔

پہلے بھی عرض کیا تھا کہ تمام کھیلوں کا علیحدہ علیحدہ حکم بتانا کارِ دارد کا مصداق ہے اس لیے اختصار کے ساتھ اصول و ضوابط عرض کر دیئے۔ جن کو کسوٹی بنا کر ہر کھیل کو پرکھ لیجئے حکم معلوم ہو جائے گا۔

Marfat.com

شرط کا لفظ جو بار بار استعمال کیا جا رہا ہے اس سے

نوٹ :- دو طرفہ شرط مراد ہے یعنی اگر کھیل میں ایسی شرط لگائی جائے کہ کھیل میں اگر میں ہارا تو میں اتنے روپے ادا کروں گا اور تم ہارے تو تم کو ادا کرنے ہوں گے یہ حرام ہے اور اگر ایک طرفہ شرط ہو مثلاً کوئی کہے کہ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو اگر ہمیں ہرا دیا تو تم کو اتنا روپیہ دیں گے یہ جائز ہے کیونکہ یہ شرط ہی نہیں بلکہ ایک انعام ہے۔

جتنے کھیل رائج ہیں ان میں مجموعی طور پر چند خرابیاں ہیں وہ یہ کہ جب ان کی نمائش یعنی میچ ہوتا ہے تو اس کو دیکھنے عورتیں بھی جاتی ہیں جبکہ عورتوں کا مذہبی اور دینی جلسوں میں شریک ہونا بھی ممنوع ہے تو اس قسم کی واہیات میں ان کی شرکت کیا جائز ہوگی نیز اس سے ہماری ماؤں، بہنوں کی عصمتیں برباد ہوتی ہیں اکثر بد طینت لوگ گھورتے ہیں آوازے کستے ہیں۔

ایسے مواقع میں سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں جمع ہوتے ہیں جن کا وقت بھی برباد ہوتا ہے اور پیسہ بھی۔ پیسہ لگا کر تو اس آیت کے مصداق بنے ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللّٰہ۔ اور وقت صرف کر کے اپنا کاروبار

Marfat.com

خراب کیا۔ اگر یہی وقت دکان پر خرچ ہوتا تو دنیا کا نفع ہوتا نماز پڑھنے میں قرآن پڑھنے میں صرف ہوتا تو دین کا نفع ہوتا اور وہاں خرچ کر کے کیا ملا۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ اب ختم کرتا ہوں دُعا کریں کہ جو کچھ لکھا گیا ہے صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور نافع بنائیں اور اگر اسمیں کوئی بات خلاف شرع ہو تو اللہ تعالیٰ احقر کو محفوظ رکھیں اور ہر دیکھنے والے کو بھی۔ نیز عرض ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں شبہ ہو تو علماء سے معلوم کر لیں میرے لکھے ہوئے پر حرف زنی کی ضرورت نہیں صحیح ہو قبول کر لیں ورنہ ردّی میں ڈال دیں۔

واللہ اعلم بالصواب

خادم دین

احقر مشرف علی تھانوی

(۱۰ ۱۲/۱۱)

Marfat.com

چند قابلِ مطالعہ کتابیں

	پیسے		روپیہ
شانِ رسالت	۲۵	۶	۱
نظریہ دو قرآن	۰	۶	۲
فضائلِ رمضان	۹۴	۶	۰
فضائل نماز	۵۰	۶	۱
فضائل صدقات حصہ اوّل	۰	۶	۴
فضائل صدقات حصہ دوم	۵۰	۶	۴
فضائل حج غیر مجلّد	۰	۶	۳
فضائل ذکر	۰	۶	۲
فضائل قرآن	۷۵	۶	۰
حکایات صحابہ مجلّد	۲۵	۶	۳
حکایات صحابہ غیر مجلّد	۶۴	۶	۲
تعلیمات امام اہلسنت	۵۶	۶	۰
اعمالِ قرآنی	۱۳	۶	۱
اشتراکیت اور اسلام	۲۵	۶	۰
معلم الدین قسم اوّل	۰	۶	۳
معلم الدین قسم دوم	۰	۶	۲

Marfat.com

	پیسے		روپے
اصول اسلام مجلد	۷۵	۶	۱
مقام حیات قسم اول	۰	۶	۵
مقام حیات قسم دوم	۵۰	۶	۳
آسمانی فیصلے	۷۵	۶	۱
چھ باتیں	۳۱	۶	۰
چھ باتیں ترمیم نو	۳۷	۶	۰
جزاء الصالحین	۲۸	۶	۰
صفائی معاملات	۵۰	۶	۰
مسلمان بیوی	۵۰	۶	۱
عالم برزخ	۰	۶	۱
اسباب فساد امت	۵۰	۶	۱
احسن الحدیث	۷۵	۶	۰
مسالک العلماء	۰	۶	۳
عقائد علماء دیوبند	۶۵	۶	۰

نوٹ:- ہر قسم کی دینی علمی تاریخی۔ درسی کتب کے علاوہ تاج کمپنی کے قرآن وغیرہ بھی آرڈر بھیج کر ادارہ سے منگوا سکتے ہیں۔

ادارۂ عثمانیہ (رجسٹرڈ) ۱۴۳ بیرون بازار پرانی انارکلی لاہور

Marfat.com

دوماہی سلسلہ مطبوعات

سُبحان من زیّن الرّجال باللّحی

پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھیوں سے زینت بخشی!

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت

تہذیب جدید کی ڈاڑھی کے برخلاف مہم پر

دین فطرت کی ایک کاری ضرب

از افاضات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارۂ عثمانیہ (رجسٹرڈ) ۲۲ لٹن بازار پرانی انارکلی

DATA ENTERED

Marfat.com